اسلام اور ویدانت

پرم ہنس عالیجناب سوامی رام تیرتھ صاحب کی
مسلم نمائندوں کے ساتھ نورانی گفتگو

پیارے دوستو!

خدا کا سچا عاشق وہی ہے جو ہر جگہ اُسی کی موجودگی کا احساس کرتا ہے۔ وہ اپنے خدا (اللہ) کو ہر جگہ دیکھتا ہے۔ وہ اپنے قلب میں یہ محسوس کرتا ہے کہ اُس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

(سوامی رام تیرتھ)

ترجمہ از قلم:
چودھری دیا رام

سوامی رام تیرتھ مشن (رجسٹرڈ) دہلی

سوامی رام تیرتھ مشن (رجسٹرڈ) دہلی

ISBN

کتاب : اسلام اور ویدانت

مصنف : سوامی رام تیرتھ مشن (رجسٹرڈ)

۱-ای ۱۶، سوامی رام تیرتھ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۵۵

ٹیلی فون : 011-23528302

011-23559350

ترجمہ : چودھری دیا رام

کمپوزنگ : افسر گرافکس، دہلی Mob.9868594259

قیمت : مبلغ-/50روپے

عالی جناب پرم ہنس
سوامی رام تیرتھ جی
(1873 - 1906)
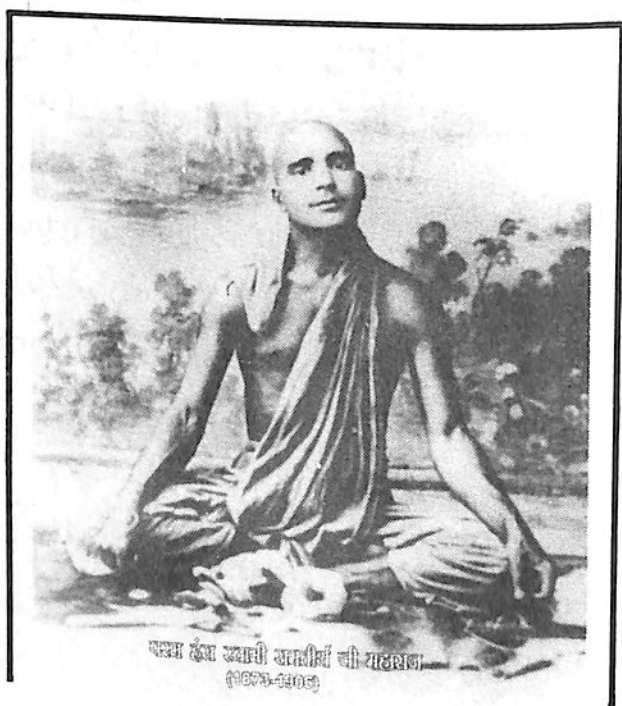
اُن کا نہ تو جنم ہوا اور نہ ہی موت!

سوامی رام تیرتھ کی روحانی شخصیت کے مداحوں میں منشی عمر دراز خاں کا نام قابل ذکر ہے۔ آپ ڈیرہ اسماعیل خاں (شمالی مغربی سرحدی صوبہ، پاکستان) کے رہنے والے تھے اور فکر و فلسفہ خاص طور پر ویدانت (تصوف) کے بڑے گرویدہ تھے۔

سوامی رام تیرتھ کے واصل الحق ہونے سے جناب منشی عمر دراز خاں صاحب فرماتے ہیں کہ ''رام'' کی میں پیدائش ہی نہیں مانتا۔ ہاں اگر پیدا ہوا ہوتا تو مرتا بھی ضرور۔ جب پیدا ہی نہیں

ہوا تو مرا کب۔ اہلِ دُنیا کو کامل شخص کے مرنے کا رنج و محن ہوا کرتا ہے۔ مگر عارفوں کے نزدیک یہ خیال مثل خواب ہے۔

سوامی رام ۲۲ را کتوبر ۱۸۷۳ء کو دیوالی کے دن لوگوں کی لاعلمی کو مٹانے کے لئے ایک اوتار کی حیثیت سے اس دنیا میں آئے اور صرف ۳۳ سال کی عمر میں دیوالی کے ہی دن سن ۱۹۰۶ء میں واصل الحق (برہم لین) ہو گئے......اور اپنے پیچھے نور کی ایک ایسی مثال قائم کر گئے کہ ویدانت جیسے دقیق فلسفہ کو سلیس اور عام فہم طریقہ سے کچھ اس طرح سمجھایا کہ عام آدمی اپنی روزانہ کی زندگی میں اُس کو عملی جامہ پہنا سکتا ہے۔ سوامی رام نے ویدانت کو باعمل بنا دیا۔

سوامی رام نے ساری دنیا کو راستی اور حقانیت کا وہ راستہ دکھلایا کہ جنہوں نے عالیجناب سوامی رام تیرتھ مہاراج کی تعلیمات اور تصنیفات کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ پروانہ کی طرح نور مطلق کی کشش سے متاثر ہو کر خود بھی نور مجسم ہو گئے اور سرور مطلق میں کھو گئے۔ آپ خود رام کے ادب اور ساہتیہ (Literature) کو بغور مطالعہ کر کے اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

(راقم الحروف)

پیش لفظ

سوامی رام تیرتھ کی روحانی شخصیت اور اُن کی تعلیم وتلقین پر نہ صرف ہندوستان کے ہی باشندے بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے لوگ بھی بلا مذہب وملت فدا تھے۔ان کی پاک ہستی کے لئے دنیا کے ہر بشر کے دل میں قدر اور الفت تھی، جب انہوں نے مصر کی جامع مسجد میں ''ہم اوست'' پر فارسی میں تقریر فرمائی تو اہل اسلام وجد میں آ گئے۔غرض یہ کہ دنیا کے ہر مذہب کے پیروکار انہیں اپنا سمجھتے تھے۔

عالیجناب سوامی رام اور مسلم نمائندوں کے درمیان ہوئی یہ گفتگو سوامی رام تیرتھ پرتشٹھان لکھنو سے چھپی ''اِن وڈس آف گوڈ ریلائیزیشن'' (In Woods of God-Realization) کے چھٹے حصہ سے لیا گیا ہے۔ یہ چھٹا حصہ سب سے پہلے ۱۹۸۷ء میں چھپا تھا۔اس کے بعد اِسے ۱۲ سال کے بعد ۱۹۹۹ء میں صحیح ڈھنگ سے چھپوایا گیا جس کا بیان رام تیرتھ پرتشٹھان لکھنؤ کے سکریٹری جناب ایودھیا ناتھ نے اپنے دیباچہ میں صاف طور پر ظاہر کیا ہے کہ جناب سوامی رام تیرتھ جی کا تمام اُردو زبان میں بیان کی ہوئی تاریخ اُن کے ساگردوں کے ذریعہ جو اُردو، فارسی جانتے تھے عام لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا جو بعد ازاں ہندی اور انگریزی زبانوں میں بھی چھپوایا گیا۔

آج کے ماحول میں جب کہ سیاست کے نام پر دنیا کے سارے مذاہب کہیں جاتی کے نام پر، کہیں رنگ ونسل کے نام پر اور کہیں دھرم کے نام پر اپنے اپنے کھانے پینے کے دھندوں میں لگے ہوئے ہیں۔سوامی رام کی یہ گفتگو ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔اِس سے پتا چلتا ہے کہ جس وقت یہ بات چیت ہوئی اُس وقت ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کیا رشتہ تھا۔کیسی آپس میں باہم میل اور محبت تھی اِس روحانی گفتگو میں جہاں مسلم علماء نے صاف دل سے سوال کئے ہیں وہیں سوامی رام نے اُن کے جواب بھی بڑے بے باب لہجے میں اور محبت آمیز الفاظ میں دئے ہیں۔

لگتا ہے کہ پوچھنے والے اور بتانے والا دونوں سچائی ''حق شناسی'' کے قائل تھے۔ایک اپنے کلام کو بڑے پیار ومحبت سے اور اپنے صاف دل سے بے خوف ہوکر بیان کر رہا ہے تو دوسرا اپنے دل ودماغ کو بالکل یکسو کر کے نہایت الفت وعقیدت کے ساتھ سن رہا ہے۔آپسی سمجھ کے لئے آج ایسے ہی ماحول کی سخت ضرورت ہے کیونکہ سوامی رام تیرتھ کی تعلیم اور تلقین کی ضرورت آج تمام دنیا کے لئے اہم ہے۔جب کہ آج نفرت اور کدورت کا ہر طرف غلبہ ہے۔لیکن انسانیت کو رفاقت

اور برادرانہ محبت کے ابدی رشتہ میں بندھ کر ہی کوچ کرنا ہوگا۔ عالیجناب سوامی رام تیرتھ صاحب جیسے دانشمند بزرگوں نے ہمیں باہمی جھگڑوں اور مخالفت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کا راستہ دکھایا اور انہوں نے خود بھی اِسی راستہ پر چل کر خدا کو پایا یعنی نجات حاصل کی۔ ہمارا سب سے بڑا مقصد بھی ایسے ہی ماحول کو تیار کرنا ہے۔

اِس تقریر کو الگ سے چھپوانے کے لئے ہمیں چند ایسے ''رام'' پریمیوں طالب علموں نے تہہ دل سے زور دے کر عرض کی ہے جو نقد دھرم کو انسانی بھلائی اور بہبودگی کی شکل میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو اس بات کو جان اور سمجھ چکے ہیں کہ باہم سچے پیار (عشق حقیقی) سے ہی تمام دنیا میں چین، آرام اور شانتی نصیب ہو سکتی ہے۔ رام نے خدمت خلق کو ہی انسانی زندگی کا سب سے آخری اور عظیم مقصد ٹھہرایا ہے محض نکتہ چینی سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اس کتاب کو ہندی زبان سے اُردو زبان میں ہو بہو ترجمہ کرنا اور وہ بھی اُس عالیجناب عالمانہ سوامی رام تیرتھ جیسی بلند پایہ ہستی کی تقریر کا۔ جو انہوں نے ۱۰۰ سال پہلے بیان کی تھی۔ میرے جیسے ناچیز کے لئے کوئی آسان بات نہیں ہے۔ پھر بھی سوامی جی مہاراج کی عین نوازش سے میں اپنی جلی قلم سے لکھنے کی ہمیّت کر رہا ہوں۔

معمولی آدمی کے لئے سوامی رام مہاراج کی علمیت و قابلیت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کی قابلیت جو ہر علم وفن میں طاق ہو اور ہر مذہب وملت کا آدمی جن کو قابل تقلید بزرگ تصور کرتا ہو۔ اُن کی تعریف میں صرف ایک اکیلا قلم بھلا کیا لکھ سکتا ہے۔

سوامی رام کی یہ پر اثر تقریر سن کر اُس زمانے کے اہل اسلام کے نمائندے وجد میں آ گئے۔ آپ نے اپنی تقریر میں ہر مذہب کی خوبیوں کو بتایا۔ جس سے ہر کوئی چاہے ہندو ہو چاہے مسلمان ہو خوش رہے۔ آپ نے بغیر کسی لگاوٹ کے بحث کی یعنی لوگوں کے سوالوں کے جواب دئے، آپ کئی زبانوں کے عالم تھے مثلاً فارسی، عربی، انگریزی، اُردو، سنسکرت وغیرہ وغیرہ۔

سوامی رام کی اِس تقریر (کلام) سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کتنا مطالعہ غور وفکر کیا ہوگا جو اس تقریر کی شکل میں سب خدا کے عاشقوں کو حاصل ہوا ہے۔

ہمیں پورا پورا یقین ہے کہ یہ کتاب ستیہ (حق) کے جاننے والے متوالوں کو ''اسلام اور ویدانت'' کے آپسی گہرے تعلقات کے بارے میں ایک نئی نظر پیش کرے گی۔ ایک نئی روشنی دکھائے گی۔ آپ کے خیالات ہم ضرور بہ ضرور جاننا چاہیں گے۔ شکریہ

راقم الحروف

مختصر سوانح عمری

''ہندو-عیسائی، پارسی، آریہ سماجی، سکھ مسلمان تمام وہ لوگ جن کے اعضاء، ہڈیاں، خون اور دماغ میرے اشٹ دیو بھارت بھومی کے اناج اور نمک سے بنے ہیں وہ سب میرے بھائی ہیں۔ جو میرے بھارت کے کھیتوں میں لہلہاتے اناج اور زمین پر کل کل کرتی پاک ندیوں سے بنے ہیں اُن کو کہہ دو کہ میں اُن سب کا اپنا ہوں اور سب کے ساتھ بغل گیر ہوتا ہوں اور کسی کو بھی اپنی آغوش محبت سے باہر نہیں سمجھتا۔''

یہ الفاظ ہیں کہ موتی۔ یہ پاک اعتقاد بھرے الفاظ جس کی زبان سے سہج بھاؤ سے نکلے تھے۔ وہ تھا تو ایک عام بھارت ورش کا باشندہ جس نے ہر طرف اور ہر شئے میں اور سارے دیش میں اپنا ہی آتما (اپنی ذات) منعکس نظر آیا۔ جو حیات حقیقی اور اُلفت صادق کا حصہ مخزن ہے۔ اِسے چاہے برہم کہو یا پرماتما۔ اللہ سمجھو یا خدا۔ ستیہ (سچائی) کہو یا حق وہ ایک ہے اور اُس کے نام مختلف ہیں۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ مادر وطن کی سیوا کرے بنا کوئی بھی روحانی ترقی نہیں کر سکتا۔ سوامی رام کا دل جو واقعی شہنشاہوں کا سا تھا بخوبی واضح ہوتا ہے۔ رام اپنے آپ کو ''رام بادشاہ'' کہا کرتے تھے۔ انہیں اَلف (ا) ایک کا ہندسہ ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔

''الف پڑھ چھٹکارا ہے'' ایک صرف ''اللہ'' کا نام لے بس نجات ہے۔

سوامی رام کا جنم۔ ان کا تارک الدنیا ہونا اور واصل الحق (برہم لین) ہونا یہ تینوں ایک ہی دن یعنی دیوالی کے دن واقع ہوئے۔ ۲۲/ اکتوبر ۱۸۷۳ء سوامی رام تیرتھ جی کا جنم صوبہ پنجاب میں ضلع گجرانوالا کے مراری والا گاؤں میں ایک اعلیٰ گوسوامی خاندان میں

ہوا۔اُس وقت اُن کا نام رکھا گیا''تیرتھ رام'' جیوتشیوں نے بچہ کے بارے میں پیشین گوئیاں کی تھیں کہ یہ بچہ صاحب اقبال وعالم ہوگا اور تمام دنیا میں اِس کا نام روشن ہوگا اور اپنے ملک اور قوم کا نام روشن کرے گا۔

سوامی جی کے پیدا ہونے کے چند ماہ بعد ہی اُن کی نیک والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے بڑے بھائی گوسائیں گرو داس جی اور ان کی بُوا صاحبہ کی گود میں'' جناب سوامی رام تیرتھ'' جی نے پرورش پائی۔

پوران، مہابھارت اور بھاگوت جیسے پاک گرنتھوں کو جناب تیرتھ رام بڑے دھیان سے سنتے تھے۔ ان میں سے نئے نئے سوال ڈھونڈتے اور ساتھ ساتھ پورا پورا عمل بھی کرتے۔ گاؤں کے بزرگوں کو یہ بھروسہ ہوگیا کہ جیوتشیوں کی کہی ہوئی بات سچ نکلے گی۔

بدتر سے بدتر حالات میں بھی جناب تیرتھ رام ہمیشہ خوش رہے۔ بچپن سے ہی اس قدر مفلسی وتنگی میں بھی اُن کے دل میں جس قدر محنت کا اشتیاق و وقت کا لحاظ تھا ویسا ہی ساتھ ساتھ گرو بھگتی اور ایشور (اللہ) کا دھیان تھا۔ میٹرک سے لے کر کالج تک کے امتحانوں میں اوّل رہے۔ جب کبھی بھی ناامیدی محسوس کرتے تو اس کو ہمیشہ اپنے اندر ہی ڈھونڈتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ بعدازاں انہی نورِ حق کا دیدار ہوا۔ انہوں نے ریاضی کا مضمون لے کر بی. اے. کیا، سب سے اوّل درجہ حاصل کیا اور اسی مضمون میں ایم. اے. کر کے لاہور فارمین کرسچن کالج میں بطور پروفیسر منتخب ہوگئے۔ یہاں انہوں نے دو سال تک پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ پروفیسر تیرتھ رام نے لاہور اورینٹل کالج میں بھی کچھ عرصہ بطور ریڈر بھی کام کیا۔ جناب ڈبلیو بل جو اُس وقت گورنمنٹ کالج کے پرنسپل تھے چاہتے تھے کہ تیرتھ رام سول سروس کے امتحان میں بیٹھیں لیکن جناب رام تیرتھ ان کے اِس وچار (خیال) سے رضا مند نہیں ہوئے۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہ اپنے علم کو طالب علموں کے درمیان بانٹنا چاہتے ہیں جسے انہوں نے بڑی محنت سے حاصل کیا ہے۔

جولائی ۱۹۰۰ء میں۔ دھنا بھگت جو آپ کے مرشد تھے اور جو اونچی روحانی تعلیم آپ نے اُن سے حاصل کی تھی اُس کی بدولت آپ کی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا اور انہوں نے سب جسمانی بندھن توڑ کر اُس نورِ حق نور کا دیدار کرنا چاہا۔ جناب تیرتھ رام نے اپنی شریک حیات

اور اپنے دونوں عزیزوں سے الوداع لی۔ ایک سال تک جنگلوں میں اکیلے ایکانت نواس میں رہنے کے بعد ماں بھاگیرتھی کو گواہ مان کر سب خواہشوں کو تیاگ کر سادھو کے بھیس میں گیروا لباس پہنا۔ یہ واقع ۱۹۰۱ء کا ہے۔

تیرتھ رام اب رام تیرتھ ہو گئے۔ دل کے تارک الدنیا تو وہ پہلے ہی سے تھے۔ جب قلبی مستی نے خوب رنگ جمایا تو رام کے باہر کے کپڑوں کا رنگنا بھی خوب بھایا۔

اب وہ اپنے حاصل کئے ہوئے روحانی علم کو ہر بشر کو بانٹنا چاہتے تھے چاہے وہ کسی بھی قوم یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور انہوں نے ویسا ہی کیا۔ سوامی رام کا کلام ہے کہ "خدا محبت ہے اور جو محبت میں رہتا ہے وہ خدا میں رہتا ہے۔" سوامی رام نے سب کو پیار اور محبت کا سبق پڑھایا۔ اُن سے جو بھی ملتا۔ عشق و محبت کی لہر میں بہہ جاتا ہے۔ سب اُنہیں اپنا ہی سمجھتے تھے۔ امریکہ کے عیسائیوں کو جہاں اُن میں ہو بہو عیسیٰ مسیح کا دیدار ہوا کیونکہ امریکہ (America) میں رام کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اُسے مسیح کہنا شروع کر دیا۔ وہیں جاپانیوں کو ان کے گیروا لباس میں ایک ایسی جلتی ہوئی نورانی چنگاری کا احساس ہوا جو ان کی بڑھتی ہوئی لاعلمی کو فوراً دور کر دے۔

اُس زمانے کے مانے ہوئے جاپانی ودانشور پروفیسر تکاتکسو نے تو سوامی رام کے بارے میں یہاں تک کہا تھا۔ "میں نے ایسی عظیم شخصیت کو آج تک نہیں دیکھا جیسے سوامی رام ہیں، وہ تو دنیا کے تمام فلاسفیوں کی زندہ جیتی جاگتی مثال ہیں۔ میں نے ان میں ویدانت اور بدھ دھرم کو ایک جگہ پر اکٹھے دیکھا ہے۔ وہ تو خود میں دھرم (مذہب) ہیں۔"

سن ۱۹۰۶ء سوامی رام کے اندر ذاتی سرور کا بحر اِتنا اُمڈا ہوا تھا کہ تمام دنیوی آنند اُس کے آگے ہیچ نظر آتے تھے جس کے سبب سے رجحان دلی دنیا (ماؤنی) سے قطعی ہٹ گیا تھا اور اپنے ذاتی آنند میں اتنا محو و مستغرق ہوئے کہ دکھوں کی دنیا جس کے ساتھ اب تعلق رکھنا ان کے لئے دوبھر سا ہو گیا تھا۔ جس کے باعث رام نے موت الموت کو بلوا کر اپنے اس فانی جسم کو اڑوانا چاہا۔ ٹہری میں قیام کے دوران انہوں نے قلم اُٹھا کر موت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں للکارا۔

"اے موت! بیشک اڑا دے اِس ایک جسم کو، میرے اور اجسام ہی مجھے کم نہیں۔ صرف چاند کی کرنیں چاندی کی تاریں پہن کر چین سے کاٹ سکتا ہوں۔ پہاڑی ندی نالوں کے بھیس

میں گیت گاتا پھروں گا۔ بحر مواج کے لباس میں لہراتا پھروں گا۔ میں ہی بادِ خوش خرم نسیم مستانا گام ہوں۔ میری یہ صورت سیلانی ہر وقت روانی میں رہتی ہے۔ اس روپ میں پہاڑوں سے اترا۔ مرجھاتے پودوں کو تازہ کیا۔ گلوں کو ہنسایا۔ بلبل کو رُلایا۔ دروازوں کو کھڑکھڑایا۔ سوئے ہوئے کو جگایا۔ کسی کا آنسو پوچھا۔ کسی کا گھونگھٹ اڑایا۔ اس کو چھیڑا۔ اس کو چھیڑا۔ تجھ کو چھیڑ، وہ گیا وہ گیا نہ کچھ ساتھ رکھا۔ نہ کسی کے ہاتھ آیا۔

سوامی جی نے خود ہی اپنے آپ کو خدا (اللہ) کے حوالے کر دیا۔ ماں گنگا کی لہروں نے اپنے لاڈلے سپوت کو اپنی گود میں لے لیا۔ چراغ کی لو (نور) الٰہی میں مل گئی یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ـــــ سوامی رام ایک جگہ اپنے کلام میں فرماتے ہیں۔

بسا رام مجھ میں، میں اب رام میں ہوں
نہ اک ہے نہ دو ہے سدا تو ہی تو ہے

"رام سما گیا تھا رام میں! وہ کہیں گیا نہیں۔ سب کے دل میں ہمیشہ حاضر ناظر ہے۔ جو ان کے نقش قدم پر چلا وہ خود رام بن گیا۔ رام دربار میں آ کر آپ بھی "رام" بنیں رام سب کو رام بناتا ہے۔ سا گرد نہیں۔

راقم الحروف

فہرست مضامین

حصّہ اوّل

Part - I

اسلام اور ویدانت

یہ ۱۹۰۵ء کی بات ہے جب عالیجناب سوامی رام تیرتھ صاحب کا لکھنؤ میں آمد ہوا۔ سوامی رام اُس وقت پوری طرح سے خدا میں رمے ہوئے تھے اور ہر فرقہ کے لوگ انہیں چاہتے تھے۔ اپنے سریلے لیکچروں و تقریر کے ذریعہ سب کے شک و شبہ کو انہیں نے دور کیا۔ اور بیوہار ک ستیہ ویدانت (تصوف) سے جڑے رہنے کی تعلیم دی۔ اہم برہم اسمی یعنی "انا الحق" اُن کے ذریعہ دیا گیا صرف زبانی جمع خرچ نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود اس کو اپنی فطرت میں محسوس کیا تھا۔ انہوں نے خود محسوس کیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

لکھنؤ میں جب وہ چند دن کے لئے قیام کر رہے تھے اُس وقت چند اسلام مذہب کے نمائندے اُن سے ملنے آئے۔ انہوں نے اپنے اسلام دھرم کے بارے میں ہی نہیں بلکہ ہندو دھرم کے بارے میں بھی سوامی رام سے کچھ سوال کئے تا کہ جو جو غلط فہمی ہے وہ دور ہو جائے۔ سوامی رام اُن سب سے ملے۔ اُن کی تمام غلط فہمیوں کو دور کیا۔ اُن سے بڑے پریم و محبت سے ملے اور حق اصل میں کیا ہے اُس کا ان سب کو علم کرایا۔

جب یہ نمائندے سوامی رام سے ملنے آئے تو اُس وقت وہ اپنے کمرے میں جہاں وہ قیام کر رہے تھے خدا کے عشق میں مگن تھے۔ جب سوامی جی کو اُن کے تشریف لانے کا پتا چلا تو وہ اُن سے بڑے تپاک سے ملے اور اُن کا بڑی اچھی طرح سے استقبال کر کے اِس بحث کا آغاز ہوا جو مندرجہ ذیل ہے۔

مسلم نمائندہ سوال: "سوامی جی! ہم سب نے آپ کو آداب عرض کیا۔ مگر

ہمارے آداب عرض کے بدلے میں آپ نے صرف ''اوم'' کہا۔ کیا اس میں کوئی راز ہے؟

''**سوامی رام**'' **جواب** :رام کے ذریعے کہے گئے کسی بھی الفاظ میں کوئی بھی راز نہیں ہے۔ رام جو کچھ کہتا ہے اس میں کسی قسم کی بھی شک کی گنجائش نہیں ہوتی۔ صاف صاف کہی ہوئی بات آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہوتی ہے جب کہ وہی بات اگر پیچیدہ بنا کر کہی جائے تو اس کا تمام مطلب ہی دوسری شکل اختیار کر سکتا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ انسان دوسروں کو وہی دے سکتا ہے جو اُس کے پاس ہوتا ہے رام کے پاس صرف ''اوم'' ہے! یہ ''اوم'' ہی اُس کی خوراک، پانی، نیند، عقل و فہم کے علاوہ سب کچھ ہی ہے۔ ایکتا ہی رام کا ویدانت (تصوف) ہے۔ بس اسی ایک پر رام کا اٹل بھروسہ ہے۔ اللہ ہی سب کچھ ہے۔ اللہ ہی اوم ہے۔ رام کے پاس اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یہی وہ سب کچھ ہے۔ جو وہ کسی کو دے سکتا ہے۔

سوال: برائے مہربانی اِس کا خلاصہ کر کے بتائیں تا کہ ہم اس مضمون کو پوری طرح سمجھ سکیں۔

جواب :اصل میں ایشور (خدا اللہ) کا کوئی نام نہیں ہے مگر بھگت، پنڈت، اِمام، پادری اور دانا لوگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اُسے الگ الگ ناموں سے مخاطب کیا ہے۔ کچھ انہیں ''رام'' کہتے ہیں تو کچھ ''رحیم'' کچھ کرشن کہتے ہیں تو کچھ انہیں ''کریم'' کہتے ہیں تو کچھ ''ایشور'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ کچھ انہیں پتا (والد) کی شکل میں دیکھ کر احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو کچھ اُنہیں ماتا (والدہ) کی شکل میں دیکھ کر ان سے محبت کرتے ہیں۔ چند لوگ ایسے ہیں جو ایشور (اللہ) کو اپنے دوست کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ تو یہ لوگ ایسے بھی ہیں جو انہیں اپنا مالک (آقا) خدا اور تمام مخلوقات کا بنانے والا مان کر ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے اُن کے سامنے اپنا سر جھکاتے ہیں۔ کچھ انہیں پتنی (بیگم) کی شکل میں دیکھ کر عزت کرتے ہیں یعنی پرستش کرتے ہیں جب کہ بہت سے لوگ اُنہیں اپنا مرشد، گورو، پیر، پیغمبر کی شکل میں دیکھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں اور اُن پر دل و جان سے قربان ہوتے ہیں۔ اور چند لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ میں ہی اُن کو دیکھتے ہیں۔ یعنی تصور کرتے ہیں۔ وہ لوگ اپنی سمجھ اور رجحان کے مطابق اُن سے اپنا روحانی تعلق قائم کرتے ہیں۔

اس ملک میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ایسا رواج ہے کہ مرد اور عورت کا ملن شادی سے پہلے

نہیں ہوتا۔لیکن شادی (نکاح) کے بعد اُن کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہو جاتا ہے۔ جیسے وہ دونوں دو نہ ہو کر ایک ہی ہوں۔اس ایکتا کا احساس ہونے پر نہ تو بار بار اپنی حیات شریک کے نام کی مالا (تسبیح) جپنے کی ضرورت ہوتی ہے۔نہ ہی دُعا یا نماز جیسی روایات کی پابندی۔ بالکل اِسی طرح اللہ کے ساتھ ایکتا کا احساس ہونے پر آپ اُسی کے ہو جاتے ہو اور اُنہیں جس نام سے چاہیں پکار سکتے ہیں۔ آپ اُن کے ساتھ جیسا چاہیں رشتہ قائم کر سکتے ہیں۔مگر ستیہ، راستی (حق) تو اصلیت میں ایک ہی ہے۔ یہ سبھی الگ الگ نام اور روپ ایک واحد کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ ایک ہی ہے۔وہ وہی ہے جو''وہ'' ہے۔دوسرے الفاظ میں وہ نا قابل بیان ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جو عقل سے پرے ہے۔ جہاں من اور کلام نہیں جاسکتے اس کو کوئی کیا بیان کرے۔حضرت محمدؐ اپنی مجبوری نہایت واضح الفاظمیں ظاہر کرتے ہیں''عرفناک معرفتک''یعنی میں نے نہیں پہچانا جو پہچانا کا حق ہے۔لیکن پراچین رشی منیوں (علماء و بزرگوں) نے اُس کو''اوم'' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔دوسرے الفاظ میں اُسے''اللہ'' کہتے ہیں جو ہر بشر کے دل میں سمایا ہوا ہے۔

سوال :اگر ایشور (خدا-اللہ) کے سینکروں ہزاروں نام ہیں تو ایسا کیوں ہے کہ صرف ''اوم''لفظ ہی آپ کو اتنا پیارا ہے۔

جواب : سننے میں تو یہ سوال بڑا معمولی سا لگتا ہے لیکن اس کو بڑی گہرائی سے سمجھنے اور سوچنے کی ضرورت ہے۔''اوم'' اِس ایک لفظپر بہت ساری کتابیں لکھی جا سکتی ہیں پر اس وقت تو یہی کہنا نہایت ٹھیک ہوگا کہ یہ لفظ خدا-اللہ کا سب سے بہترین نام ہے۔اس کی ہستی سب جگہ ہے ہر فرد و بشر چاہے وہ کیسی بھی فرقہ، دھرم، ذاتی، مت یا دیش کا ہو''اوم'' کہنے سے نجات ملتی ہے اور بار بار اس ایک لفظ کو دوہرانے سے ہر انسان کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

سوال: کیسے؟

جواب: اِس کا سہی ڈھنگ سے اُچارن (تلفظ) کرنے سے۔اس کو سچے دل سے پکارنے سے، دل و دماغ میں قناعت حاصل ہوتی ہے۔اور انسان سدا خوش وخرم رہتا ہے۔اپنے دل میں ایک عجیب وغریب طرح کی خوشی محسوس کرتا ہے۔ پرکرتی، نیچر قدرت کے پرم سکھ اور شانتی کے انمول خزانے کو حاصل کرنے کے لئے یہ حرف''اوم'' خزانے کی چابی کا کام کرتا ہے۔اس میں کوئی

بھی شک وشبہ نہیں ہے۔آپ خود یہیں پر اور ابھی اِس کی جانچ کر سکتے ہیں۔اور اپنے دل میں از حد سکون محسوس کر سکتے ہیں۔اور عین حق۔عین علم اور عین سرور کی صورت اختیار کر سکتے ہو۔ستیہ (حق) بذات خود ثابت شدہ ہے (Truth is Self Evident) رام آپ سب طالبان حق سے گزارش کرتا ہے کہ آپ سب صاحبان اس پاک لفظ ''اوم'' کو سچے دل سے گا کر کے خود محسوس کریں۔

(ایسا کہہ کر سوامی رآم نے سب کو لین (محو) کر دینے والے میٹھے سور میں ''اوم'' منتر کو تین بار گایا۔وہاں پر حاضر سب مسلم برادر بھی ''اوم'' کا گائین کرنے لگے۔)

سوامی رام کا سوال :اب آپ لوگ برائے مہربانی رآم کے ساتھ 'اوم' منتر کے گائین کے بارے میں اپنا تجربہ بتلائیں۔

جواب:سوامی جی! ہم سبھی نے ایک انوکھی طرح کی مانسک ،شانتی ذہنی سکون اور دھیان کی یکسوئی کو محسوس کیا۔

سوامی رام :یہی وجہ ہے ہندو سبھی موقعوں پر سنکھ کی آواز کرتے ہیں۔چاہے جنم کا موقع ہو یا موت کا۔دُعا کا موقع ہو یا اور کوئی خوشی کا۔وہ جنگ کے اعلان کے وقت بھی سنکھ ناد کرتے ہیں۔سنکھ سے جب آواز نکلتی ہے تو اس سے ''اوم'' کی آواز نکلتی ہے جو آسمان میں گونجتی ہے اور سارے ماحول میں ایک نئی روشنی ،نور علیٰ نور پیدا کرتی ہے۔یہ خدا تعالیٰ میں پوری طرح سے سمانے کا اشارہ کرتی ہے اس سے میرا اور تیرا کی سوچ مٹ جاتی ہے اور دِل و دماغ صرف ''اوم'' پر ٹک جاتا ہے۔''اوم'' کا لفظ کسی ایک خاص زبان سے تعلق نہیں رکھتا ہے سنسکرت زبان پر ہی اس کا کوئی حق نہیں ہے۔یہ آواز عملی طور پر سبھی زبانوں میں پائی جاتی ہے جس میں فارسی ،انگریزی جرمن اور جاپانی ،زبانیں بھی شامل ہیں۔

اُوم کی پھکنی میں بادِ جام کو بھر کر دم بہ دم
پھونکتے ہیں ہر گھڑی اک آگ بھڑکانے کو ہم

روحانیت کی آگ کو ہمیشہ جلائے رکھنے کے لئے ہم ''اوم'' کی پھکنی میں ہر سانس قوت حیات پھونکتے رہتے ہیں۔

تمام ماحول کو خوش نما کر دینے والی یہ ''اوم'' کی آواز انسانیت کو تمام تکالیف و آفات سے

نجات دلاتی ہے۔ یہ پیدائش کے وقت سے ہی آپ کے ساتھ ہے۔ جب بچہ جنم لیتا ہے تو اُس کے رونے کی آواز اور ''اوم'' کی آواز میں یکسانیت ہوتی ہے۔ جب بچے کھیل رہے ہوتے ہیں اور جب ان کا من خوشی سے پھولا نہیں سما تا تو ان کے تمام سور میں ''اوم'' کی ہی آواز گونجتی ہے۔ جب لوگ بیماری کی حالت میں ہوتے ہیں یا انہیں جب بے حد تکلیف ہوتی ہے تو اُن کے کرہانے میں ''اوم'' کی آواز ہوتی ہے۔ اس سے انہیں دُکھ درد، تکلیف سے راحت ملتی ہے۔ یہودی، انگریزی اور عربی زبانوں میں دُعا کے بعد آمین'' بولا جاتا ہے۔ یہ ''اوم'' کی ہی بگڑی ہوئی شکل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یونانی زبان کی ورن مالا کا آخری لفظ ''اومیگا (Omega) ہے جس میں ''اوم'' کی آواز ہی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ انگریزی کے الفاظ جیسے۔ اومنی پریزنٹ، اومنی سینٹ اور اومنی پوٹینیٹ (Omnipresent, Omniscient, Omnipotent) میں بھی ''اوم'' کی آواز صاف ہے۔ ان سب الفاظ میں ''اوم'' کی موجودگی پائی جاتی ہے۔ اوم لفظ کی ہی بدولت ان کی عظمت ہے کیونکہ ''اوم'' لفظ ہی سب میں اوت پروت ہے یعنی سمایا ہوا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان رنج وغم اندوہ حرمان اور شدید دُکھ درد اور تکلیف میں اس طرح کی آواز کیوں نکالتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''اوم'' ایک بڑے بھاری درخت کی طرح ہے جو اُن تمام لوگوں کو اپنی ٹھنڈی سایا میں سکھ۔ چین اور تازگی بخشتا ہے جو دُکھ، درد، فکر و تردد وغیرہ کی شدید گرمی سے پریشان ہیں۔ اُن کی ساری پریشانیاں چاہے کسی حالت میں بھی ہو رہی ہوں۔ وہ سب کے سب بھانپ بن کر اڑ جاتی ہیں۔ اگر وہ اس ''اوم'' لفظ کا اُچارن (گان، بولنا) بنا سوچے سمجھے ہی کرتے ہیں تو بھی آرام محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ پوری سچائی اور لگن کے ساتھ اس لفظ کا اُچارن (تلفظ) (گان) بار بار کرتے ہیں تو وہ اِسکا پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اُن کی زندگی ہی بدل جاتی ہے۔

ہندو عالم ''اوم'' کو ہی حقیقت میں کبھی نہ بدلنے والے ستیہ (حق) میں دیکھتے ہیں جو ہر حالت میں ایک جیسا رہتا ہے۔ سوتے، جاگتے اور خواب کی حالت میں، جس میں منجمد دنیا کا نام ونشان مٹ جاتا ہے یعنی اس کشیف جسم میں سے خیال خود ہی چھوٹ جاتی ہے۔ لہٰذا اس بدلنے والے فانی سنسار میں صرف ایک ''اوم'' (اللہ) ہی نہ بدلنے والا ہے۔ یہ ہی تمام برہمانڈ (خلق)

کی روح ہے۔

اِس ''اوم'' کی ہی وجہ سے سارے کا سارا برہمانڈ (خلق) اِس ایک ''اوم'' میں بندھ کر قدرت کے اصولوں کے مطابق اپنا کام کر رہا ہے۔ اُن سبھی لوگوں کی جو قدرت کے اصولوں کے مطابق چلتے ہیں اس ''اوم'' کی نورانی طاقت کے ذریعہ حفاظت ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ خوش وخرم رہتے ہیں اور ان کی ہر دائرے میں کامیابی ہوتی ہے۔ اور جو اِن اصول کے خلاف چلتے ہیں وہ کچل دئے جاتے ہیں یہ قدرت کا اٹل قانون ہے غرض یہ کہ کوئی جگہ کائنات میں ایسی نہیں ہے جہاں یہ موجود نہ ہو۔ اوم کی ہستی تمام مخلوقات میں لامحدود ہے۔ وہ برف میں آب جیسا۔ تلوار میں لوہے جیسا اور زیوروں میں سونے جیسا ہر جگہ موجود ہے۔ ''وُہی'' سب کچھ ہے۔

اس کائنات میں جو نور دکھائی دیتا ہے۔ وہ سب ''اُسی'' کی وجہ سے ہے۔ نہ صرف ہندوؤں کے مت و مذہب اس ''اوم'' کو اہمیت دیتے ہیں بلکہ بائبل (Bible) اور قرآن بھی اِس کو ساری دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے کا اقرار کرتے ہیں اور ''اوم'' کو ایک خاص اہمیت کی جگہ تسلیم کرتے ہیں۔

سوال : ہم مسلمانوں نے اپنے پاک دھرم گرنتھوں میں یعنی اپنی پاک مذہبی کتابوں میں کہیں بھی ''اوم'' کا ذکر نہیں سنا ہے۔ کیا آپ برائے مہربانی ہمارے قرآن شریف میں کہیں اِس ''اوم'' کا ذکر کھول کر بتا سکتے ہیں۔

جواب سوامی رام : برائے مہربانی غور سے سنیں، آپ کے قرآن شریف میں ایک دم شروع میں ہی اوپر کی طرف تین الفاظ ہیں۔ (الف (ا) لام (ل) اور میم (م)

کیا آپ میں سے کوئی اِن تین (۳) الفاظ کا مطلب بتا سکتا ہے؟

مسلم نمائندہ: یہ ایک راز ہے جسے اللہ نے اپنے پاس چھپا کر رکھا ہوا ہے۔

سوامی رام : جب اللہ نے پورے قرآن کو ساری انسانیت کی بھلائی اور بہبود کے لئے ظاہر کر دیا ہے، جیسا کہ مسلمانوں کا دعوہ ہے تو بڑی حیرانی کی بات ہے کہ انہوں نے اس کے دیباچہ (تمہیدی مضمون) کو ہی کیوں راز کے پردے میں رکھ لیا؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر آپ مسلمانوں کو جنہیں قرآن شریف پر پورا پورا اعتقاد ہے اور الف، لام اور میم کے بارے میں کوئی علم نہیں تو رام آپ کو بتلائے گا کہ یہ تین الفاظ کس بات کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ تین الفاظ ''الف'' (ا)، لام (ل)

اور میم (م) اور اصل میں ''الف''، ''واؤ''، میم (م) کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر۔

ا۔و۔م یا ''اوم'' (A-O-M)۔

سوال :سوامی جی! لام (ل) تو لام (ل) ہی ہوتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ لام (ل) کا تلفظ واو (و) کی شکل میں کس طرح ہوسکتا ہے۔ جیسے کہ آپ نے ابھی بتلایا۔

جواب:ہاں! کچھ خاص حالتوں میں آپ کے اپنے عربی گرامر کے متعلق ''لام'' (ل) کا تلفظ واو (و) کی شکل میں کیا جاتا ہے برائے مہربانی رام کو سنیں اور وہ جو کہتے ہیں اُسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ عربی زبان میں آپ لکھتے تو ہیں ''شمش الدین'' لیکن اِسے پڑھتے ہیں ''شمشودین''! آپ لکھتے نظام الدین پر پڑھتے ہیں ''نظامودین'' ۔آپ لام (ل) کا تلفظ واوَ (و) سے کیوں کرتے ہو۔ کیا یہاں لام (ل) خاموش ہوکر واو (و) کی آواز پیدا نہیں کرتا؟ جب لام (ل) ایک سور (Vowel) اور ایک ویجن (Consonant) کے درمیان آتا ہے۔ تو خود خاموش ہوکر عربی میں ''پیش'' ''اوٗ یا ''وٗ'' کی آواز پیدا کرتا ہے۔ اِسی طرح یہاں الف (ا) اور میم (م) کے ساتھ بھی ہے۔ یہاں پر لام (ل) سور (Vowel) الف، اور ویجن (Consonant) میم (م) کے درمیان میں آتا ہے اِس لئے یہ خاموش ہوجاتا ہے اور ''اوٗ'' یا 'وٗ' کی آواز پیدا کرتا ہے۔ اس لئے 'الف' (ا) لام (ل) اور میم (م)۔ الف، واوَ (و) اور میم (م) کی آواز پیدا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ''اوم'' کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس میں اللہ کے ذریعے چھپایا گیا کوئی بھی راز نہیں ہے۔ یہ محض آپ کی لاعلمی ہے کہ آپ ''قرآن شریف'' کو ٹھیک۔ٹھیک سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ''اوم'' ہے اور ''اوم'' کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

مسلم نمائندہ:سوامی جی! آپ کے بحث ومباحثہ نے ہمیں حیرانی میں ڈال دیا ہے۔

سوامی رام :اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے۔ آپ کے عربی گرامر میں ہی سب کچھ صاف صاف کہا گیا ہے۔ اگر مسلم بھائی اِسے ٹھیک سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تو اس سے اللہ کا کوئی واسطہ (دوش) نہیں ہے۔ اللہ کو اس لئے دوش دینا کہ اُس اللہ تعالیٰ نے اسے انسانوں سے چھپا کر رکھا ہے۔ کفر ہے۔ دھرم کے خلاف ہے۔ مذہب کے خلاف ہے اور پاپ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم فاضل مسلمان لوگ یا تو اسے سمجھتے نہیں ہے یا پھر جان بوجھ کر اُس مسلم فرقہ سے اِسے

چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ جن کو عربی زبان کا علم نہیں ہے جس میں کہ قرآن نازل ہوا ہے۔

سوال :ابھی آپ نے ''کفر'' لفظ کا استعمال کیا ہے۔ کیا ہم جان سکتے ہیں کہ آپ ''کفر'' یا ''کافر'' جیسے الفاظ کو کس طرح بیان کرتے ہیں۔

رام: یہ الفاظ ''کفر'' اور ''کافر'' اسلام کے خاص لفظ ہیں۔ آپ اِن الفاظ کا مطلب کسی غیر مسلم سے بہتر سمجھ سکتے ہو۔ رام کو اِن کے بارے میں کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مسلم نمائندہ :چونکہ آپ بہت بڑے عالم فاضل ہیں اور آپ کو عربی اور فارسی زبان کی بہت اچھی جانکاری ہے۔ ہم اس بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہیں گے۔ برائے مہربانی ہمیں اس بارے میں آگاہ کریں۔

رام :بہتر ہوتا اگر آپ نے یہ سوال رام کے سامنے نہ رکھا ہوتا کیونکہ رام ہمیشہ سچ سچ بولتا ہے اور سچ کے علاوہ اور کسی بھی بات کو اہمیت نہیں دیتا۔ رام نہ تو کبھی کسی کی خوشامد کرتا ہے۔ اور نہ ہی کسی کی دلی تمناؤں کو ٹھیس پہنچاتا ہے۔ ستیہ۔ حق یا راستی کو کچلا نہیں جا سکتا۔ ہر مذہب (دھرم) ستیہ (حق) کو کسی نہ کسی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے ''رام'' محض ہندو ہی نہیں بلکہ مسلم، عیسائی اور بودھ بھی ہے۔ آپ کے سوال کے جواب میں رام صاف، صاف، بولے گا۔ مگر پریم اور محبت کے ساتھ، آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے بغیر، رام کا جیسے اپنے آپ سے پریم (محبت) ہے۔ ویسا ہی آپ پر بھی ہے اور ایسا کچھ ہو بھی نہیں سکتا کہ خود سے پوشیدہ رکھا جائے۔

میرے خیال سے حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے ماننے والوں نے ''کفر'' اور ''کافر'' الفاظ کی بہت غلط بیانی کی ہے۔ اور ان الفاظ کا بہت ہی غلط استعمال کیا ہے۔

جیسا آپ جانتے ہیں کہ انسان کے دل میں ہی ایشور (خدا-اللہ) کا قیام ہے۔ دوسروں کے لئے رحم کرنا ہی اپنے آپ میں ایک بہت بڑا نیک کام ہے۔ کسی نے فارسی میں کہا ہے۔

دل بدست آور کی حج اکبر است

مطلب: دوسروں کا دل خوش رکھنا ایک بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔ یہ حج کرنے کے برابر ہے۔

لیکن بدقسمتی سے اسلام کے ان ملا، مولویوں اور ناصحوں، رہبروں نے بھولے بھالے مسلمانوں کے دل میں اللہ کے ساتھ پریم، محبت اور بھائی چارے کی بھاونا بھرنے کی جگہ پر نفرت

اور کدورت اور تشدد ہی تشدد بھر دیا۔ اس لئے مروت اخلاق، محبت اور رواداری کا نام ونشان مٹتا جار ہا ہے۔ آدمی آدمی کے خون کا پیاسا ہے اور قوم، قوم کی دشمن ہے۔

خود مسلمانوں کے ذریعہ لکھے ہوئے تاریخ میں اسی بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ اسلام کے نام پر لاکھوں غیر مسلم کاٹ ڈالے گئے ہیں مسلمان حملہ آور فوجوں کے ذریعہ ہزاروں گاؤں جلا کر راکھ کر دئے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے 'کفر' اور 'کافر' لفظ کا غلط مطلب نکالا ہے اور اس غلط فہمی کی وجہ سے اسلام کے نام پر غیر مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم وستم بڑی بے رحمی سے کئے گئے ہیں۔

ان لوگوں نے اسلام کے نام پر غیر مسلمانوں کو زندہ آگ میں جلا دیا۔ انہوں نے عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ تواریخ گواہ ہے کہ گورو گوبند سنگھ کے صرف دس وآٹھ سال کے دو عزیروں کو اُن کے ذریعہ اسلام مذہب کو نامنظور کرنے کی وجہ سے دیوار میں زندہ چنوا دیا۔ جس کسی نے بھی مسلمانوں کے خلاف اِس بے رحمی کے خلاف آواز اٹھائی اس کا ان لوگوں نے بڑی بے رحمی کے ساتھ سر قلم کر دیا۔ کچھ نیک سچے مسلمانوں (مومن) کو چھوڑ کر باقی سب مسلمانوں کی بڑی تعداد نے غیر مسلمان کو ایک ''کافر'' کی ہی شکل میں دیکھا۔ یہ اسلام دھرم (مذہب) کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ اسلام کا صحیح لفظی مطلب ہے۔ ''شانتی کا دھرم'' ''انسانیت کو رفاقت اور برادرانہ محبت کے اَبدی رشتہ میں باندھنا'' پھر بھی اللہ، خدا، رسول اور ان کے قناعت والے دھرم (مذہب) کو اِسلام کے نام پر لاعلمی مسلمانوں نے دھرم کی آڑ میں تلوار کے نیچے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی دُنیا میں رہنے والے انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انہیں بڑی بے رحمی سے کاٹ ڈالا گیا۔ لاکھوں غیر مسلمانوں کو قیدی بنا کر اُنہیں اپنے گھروں اور کنبہ کو الوداع کہنے اور مسلم ملکوں میں غلاموں کی شکل میں بِک کر اپنے مالکوں کی زندگی بھر خدمت کرنے کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ لاکھوں لاچار عورتوں کو بیوہ کی زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ اُن کے ساتھ زنا بالجبر کر کے اسلام کے رہبروں کی ہوس بجھانے کے لئے اُن کا زبردستی استعمال کیا گیا۔ ''کافر'' اور ''کفر'' جیسے الفاظ کا جو حضرت محمد صاحب نے قرآن شریف میں بیان کیا تھا، ٹھیک سے نہ سمجھنے کی وجہ سے لاکھوں معصوم بچے لاوارث ہو گئے اور اُنہیں اسلام کے فوجی سپاہیوں کی وجہ سے بد چلنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہونا پڑا۔ یہ سب کس لئے؟ کیا یہی اسلام شانتی وقناعت والا دھرم (مذہب) ہے؟ کیا آتنک واد (Terorism) یعنی مار کاٹ۔ لوٹ کھسوٹ ہی لوگوں کو اسلام دھرم (مذہب) منظور کروانے کا

محض ایک راستہ ہے؟

یہ آپ کا اپنا اتہاس کہتا ہے۔ ساری دنیا نے اسلام کا یہی چہرہ دیکھا ہے، بھارت واسیوں کا یہی تجربہ رہا ہے۔ شانتی کے دھرم اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی ہے۔ ایسا تو ''کفر'' اور ''کافر'' الفاظ کی غلط ڈھنگ سے توضیح کی وجہ سے ہوا ہے۔

رام کی کس کے لئے کوئی کدورت یا نفرت نہیں ہے۔ اُسے خوب اچھی طرح سے معلوم ہے کہ مسلم فرقہ کو عربی زبان جس میں پاک قرآن شریف لکھا گیا ہے، اُس کے بارے میں ان کی لاعلمی کا فائدہ اٹھا کر کچھ کا کچھ سمجھا دیا گیا ہے اور اب بھی ان پڑھ اور بھولے بھالے مسلمانوں پر اپنا بڑکپن بنائے رکھنے کے لئے انہیں اُن کے کٹرپنتھی اور مطلب پرست رہبروں کے ذریعے گمراہ کیا جا رہا ہے آپ سبھی لوگ رام کی صاف گوئی کے لئے معاف فرمائیں۔ یہ صاف گوئی کسی نفرت کدورت کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ سب دوستوں کے لئے بے لگاؤ محبت کی وجہ سے ہے۔ رام آپ کا سچا بھلا چاہنے والا ہے بلکہ وہ تو آپ کا اپنا ہے۔

رام کے دل میں شدید تکلیف و دُکھ ہوتا ہے جب وہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہوتا ہوا دیکھتا ہے جو اللہ کے سچے بھگت پیغمبر حضرت محمد صاحب کے فرمان کے خُلاف ہے۔ وہ کبھی بھی اپنے شاگردوں کو اپنے اللہ کی بنائی ہوئی دنیا کے بھولے بھالے لوگوں کی، اپنے اسلام (وہ پاک مذہب جس کا سب سے اولین مدعا اس دھرتی پر شانتی، محبت قائم کرنا ہے) کے نام پر ناجائز اور بے رحمی سے انسانوں کی موت کے گھاٹ اُتارنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر پیغمبر صاحب کے اس دار فانی سے کوچ کرنے کے بعد نہ صرف غیر مسلمانوں کی، بلکہ خود ان کے اپنے داماد حضرت ''علی'' اور پیغمبر صاحب کے پوتوں کو بھی، مسلم ظالموں کے ہاتھوں، اُن کے اپنے ذاتی مفاد، نفرت کدورت، جھوٹے، گھمنڈ اور جھوٹی شان بان و تشدد کی وجہ سے بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔

آپ صاحبان جو یہاں موجود ہیں، دین اسلام مسلم فرقہ میں ایک اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں اور اس لکھنؤ شہر میں آپ ان کے رہنما (پیشوا) ہیں۔ رام چاہے گا کہ آپ اُن سب مسلمان بھائیوں سے تال میل قائم کریں اور اُنہیں قرآن میں دی گئی تعلیم کے مطابق اسلام۔ شانتی (قناعت) برادرانہ میل جول، خدا کی رضا میں رضا، ترک ہوس، مروت، اخلاص و محبت اور رواداری کا سبھی مطلب سمجھائیں۔ جس سے وہ اپنے غیر مسلم پڑوسیوں، جن کو آپ کے ہی خدا۔ اللہ نے جنم دیا ہے

اُن سے پریم اور محبت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہ سکیں۔آپ اُن کو سمجھائیں کہ وہ سب ایک دوسرے سے محبت اور رواداری سے پیش آئیں۔اس میں صرف اسلام کی ہی نہیں بلکہ تمام انسانیت کی بھلائی ہے۔یہی انسانی فرض ہے۔

آپ کے مطابق اسلام کا مطلب ہے''شانتی'' (امن) اسلام کا مطلب ہے کہ پوری طرح سے اللہ کی رضا کے مطابق چلنا۔اسلام کے اصولوں کے مطابق ایک مسلمان کو سبھی حالات میں اللہ تعالیٰ کی رضا میں رضا مان کر چلنا چاہئے۔چاہے حالات حق میں ہوں چاہے مخالف ہوں۔ اُسے ہر حالت میں خدا تعالیٰ کی رضا اور مہربانی مان کر اپنے دل و دماغ کو ہمیشہ برقرار رکھنا چاہئے اور شانتی (امن) سے رہنا چاہئے۔

ہمیں ایشور (اللہ) کی رضا (مرضی) کے مطابق رہنا چاہئے ہمیں سب حالات میں استقلال سے اور خوش رہنا چاہئے۔اسلام آپ کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ آپ پوری طرح اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے آگے سپرد کر دو۔وہ چاہے آپ کو ملک الموت کو پیش کرے یعنی موت کے منہ میں جھونکے چاہے زندہ رکھے۔آپ کو دونوں ہی حالات میں خوش رہنا چاہئے۔وہ آپ کو ڈوبو بھی سکتا ہے۔اور آندھی اور طوفان سے آپ کی حفاظت بھی کر سکتا ہے۔ایک مسلمان کو اگر وہ سچ مچ مسلمان ہے،تو اُسے ہمیشہ شانت (چین سے) اور مستقل مزاجی سے رہنا چاہئے۔سچ مچ وہی مرد ہے جو سبھی طرح کی حالات میں چین و سکون سے رہتا ہے۔آگرہ کے ایک شاعر نظیر صاحب فرماتے ہیں:

پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
میدان میں بازار میں چوپال میں خوش ہیں
گر یار کی مرضی ہوئی، سر جوڑ کے بیٹھے
گھربار چھڑایا تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے
گدڑی جو سلائی، تو وہی اوڑھ کر بیٹھے
گر شال اُڑھائی،تو اُس شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ سبھی طرح کے حالات میں خوش رہتے ہیں۔

اگرچہ اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم کس طرح دوسروں کے ساتھ امن۔

چین سے رہیں۔لیکن اِس نے دُنیا کی تواریخ میں بے رحمی، مار کاٹ اور ظلم وشم اور تشدد کا سہارا لے کر اور دین اسلام کے نام پر خود اپنا نام خراب کیا ہے۔ یہ سب حکومت کے بھوکے اور لالچی لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے جنہوں نے اپنی ذاتی مفاد کے لئے ہر جائز یا ناجائز طریقہ اختیار کر کے مسلمان اور غیر مسلمانوں پر بڑی بے رحمی سے ظلم وستم کئے یہ سب ''کفر'' اور ''کافر'' الفاظ کی لاعلمی سے توضیح کے باعث ہوا ہے۔

یہ سبھی، جنہیں آپ ''کافر'' کہتے ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں وہ سب آپ کے ''اللہ'' کے ذریعہ بنائے گئے ہیں۔ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے لئے الگ۔ الگ خدا (اللہ) نہیں ہے۔

ایشور۔ اللہ صرف ایک ہے جیسا کہ آپ کا اپنا قرآن کہتا ہے۔ وہ اس خلقت میں تمام خلق کا خواجہ ہے۔ ایک ''کافر'' میں بھی وہی خدا (اللہ) ہے جو آپ میں ہے۔ آپ کے اپنے ''قرآن شریف'' کے مطابق اللہ آپ کے دل کی دھڑکن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ کسی شخص کو بھی اس لئے ''کافر'' قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ آپ کے اللہ کی عبادت کرتا یا آپ کی طرح سے دُعا نہیں کرتا۔ سب دھرم اور مذہب دل کی پاکدامنی کی تعلیم دیتے ہیں نہ کہ تنگ دلی ،تشدد اور فرقہ پرستی، جیسا کہ میرے از حد پیارے دوست اور ہم جماعت حضرت علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

''مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا''

کسی بھی دھرم (دین) کا مقصد اللہ کے ساتھ سچے دل سے رابطہ قائم کرنے کا ہے۔ کیا ایسا ہے کہ نہیں؟ اور ''اللہ'' جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں، صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ وہ سبھی کا ہے چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان ہوں۔ اسلام کے سچے پیروکاروں کے لئے ایشور (اللہ) ہی سب کچھ ہے صرف اللہ ہی اُس کی پوجا (نماز) ہے اور چونکہ اللہ سب میں سمایا ہوا ہے۔ وہ ہر جگہ، ہر استھان پر اللہ تعالیٰ کو ہی دیکھتا ہے۔ ایک ''کافر'' میں بھی اور مسلمانوں (مومن) میں بھی۔ ایک فارسی شاعر فرماتے ہیں:

مذہب عشق از خواں مت جدا است
عاشقان را مذہبو ملت خدا است

اللہ کے ایک سچے عاشق کا دھرم (دین) دوسروں کی ریاضت سے ایک دم الگ ہے۔ اُس

کے لئے اس کا دھرم (دین) صرف ایک ''اللہ'' ہی ہے۔

اسلام سبھی دھرموں (ہر مذہب کے لئے) اُن کی سچے دل سے قدر کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ سبھی دھرموں (مذہبوں) کا صرف ایک ہی نشانہ ہے اور وہ ہے اللہ یا خدا وہ جو مسلمان نہیں ہیں، انہیں اسلام میں ''ذمی'' کہا گیا ہے۔ جن پر اللہ کی ذمہ داری ہے۔ انہیں اللہ محفوظ رکھتا ہے یعنی اُن کا خدا حافظ ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا اور مسلم حکمراں کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ اُن کی اور اُن کے جائز حق کی حفاظت کریں۔ اُن کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ غیر مسلمانوں کی پوجا (دعا) اور اعتقاد کے طور طریقوں میں رکاوٹ ڈالیں۔ یہ تو اللہ کی ذمہ داری ہے کہ ''وہ'' جس طرح چاہے اُسی طرح کا برتاؤ کرے۔ آپ اللہ کا کام اپنے ہاتھوں میں لینے والے کون ہوتے ہیں؟ آپ کو محض اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے! بس۔ سینائے پہاڑ کے پاس شینٹ کیتھرین (Saint Catherine) نام کا ایک مٹھ تھا۔ (کرسٹان کا پوجہ ستھان) پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی ہجری میں ایک حکم جاری کیا تھا کہ جو عیسائیوں اور غیر مسلمانوں کی حفاظت میں لاپرواہی کرے گا۔ اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ پیغمبر حضرت محمدؐ نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ مسلم فرقہ سے تعلق رکھنے والے سب لوگ گرجا گھروں اور غیر مسلمانوں کی خانقاہوں کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر پر لیں۔ انہیں یہ بھی حکم ہوا تھا کہ وہ ایسی عمارت کی مرمت میں بھی مدد دیں۔

پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا حکم کس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے؟ یہ بالکل صاف طور سے دکھلاتا ہے کہ اسلام کا حکم ہے کہ اسلام کے سبھی پیروکار اَمن سے رہیں اور دوسروں کو بھی اَمن وچین سے جینے دیں۔ اسلام نہ تو مسلمانوں کو لاعلمی میں پڑکر غیر مسلمانوں کے ساتھ خراب سلوک کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور نہ ہی کسی فرد سے نفرت وکدورت کی نگاہ سے دیکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ دھرم اور مذہب کے نام پر فرقہ پرستی دنگے وہی لوگ کرواتے ہیں جنہوں نے نہ تو اپنے پاک دھرم گرنتھوں (قرآن شریف) کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا ہے اور نہ ہی انہیں ٹھیک سے سمجھا ہے، اگر ایمانداری سے دیکھا جائے تو ہر ایک بشر کو اس بات کی پوری پوری آزادی ہونی چاہئے کہ وہ اپنی پسند اور اپنے رجحان کے مطابق اپنے طریقہ سے اللہ کی ریاضت کر سکے۔

روایت کہتی ہیں کہ ایک بار ایک گڈریا اپنی بھیڑوں کے جھنڈ کو ایک جنگل میں چرا رہا تھا۔ وہ اپنے سیدھے سادے طریقہ سے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہے اللہ خدا!

میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے خوبصورت ہو۔اگر صرف ایک دفعہ میرے سامنے ظاہر ہو جاتے تو میں آپ کو اپنی سب سے اچھی بھیڑ کا دودھ پلاتا۔ اگر آپ کے پیروں کے تلووں میں کانٹے گڑے ہوتے تو میں ایک۔ایک کر کے انہیں نکالتا میں آپ کی کمر کی ساری گندگی دور کر دیتا اور آپ کے سر کی ساری جوں نکال کر باہر پھینک دیتا۔ میں تہہ دل سے آپ کی خدمت کرتا اگر آپ ایک دفعہ۔ صرف ایک بار میرے سامنے ظاہر ہو جاتے یعنی آپ کا دیدار ہو جاتا۔

جس وقت وہ گڈریا اپنے سیدھے سادے طریقے اور سچے دل سے اللہ سے یہ باتیں کر رہا تھا اس وقت حضرت موسیٰ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ (موسیٰ ایک مشہور پیغمبر ہوئے ہیں۔ جن پر توریت نازل ہوئی) گڈریہ کو اس طرح کی عبادت کرتے ہوئے دیکھ کر وہ ایک دم غصہ ہو گئے اور گڈریہ کو مخاطب ہو کر بولے۔ ''بہت ہو چکا۔کیا اب تم چپ بھی رہو گے؟ میں اب اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔کیا اللہ کو تمہاری بھیڑ کے دودھ کی ضرورت ہے؟ کیا اللہ کے تلوؤں میں کانٹے گڑتے ہیں؟ کیا ان کی کمر کبھی گندی ہو سکتی ہے؟ کیا ان کے بالوں میں جوں ہیں؟ اتنا کہتے ہوئے انہوں نے اس گڈریہ کو زور کا ایک ڈنڈہ مارا، گڈریا درد سے چلا اٹھا۔اُسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کا کلام سنا۔موسیٰ! یہ تم نے کیا کیا؟ یہ جائز نہیں ہے۔خلاف شرع ہے۔ ہر ایک بشر کو اپنی طرح سے میری پرستش (عبادت) کرنے کی پوری پوری آزادی ہے۔ تم میرے اور میرے پرستار (بھگت) کے بیچ میں آنے والے کون ہوتے ہیں؟ تمہیں اس دنیا میں لوگوں کو مجھ سے جوڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ الگ کرنے کے لئے نہیں! اس بھولے بھالے گڈریہ کو چوٹ پہنچا کر تم نے بہت بڑا پاپ کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے شرمندہ ہوئے اور انہوں نے اُس گڈریہ سے معافی مانگی۔

رام کے دل میں اسلام کے لئے اشد قدر اور اعتقاد ہے لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کہ اس کے پیروکاروں، مسلم فرقہ پرست لوگوں نے، خاص طور سے بھارت میں نہ صرف ''کفر'' اور ''کافر'' الفاظ کا، اپنے اَمن کا سبق پڑھانے والے دین کے نام پر، ان کا غلط استعمال کیا ہے، بلکہ اُن غیر مسلمانوں کے بھی خلاف جو اُن کے اپنے ہیں اور اُن کے اپنے ہی خدا یا اللہ کے ذریعہ بنائے گئے ہیں۔ان ظالموں نے انہیں بھی نہیں بخشا۔اور وہ خباثت کے پتلے تمام طرح کے گناہوں جیسے قتلِ عام، خونخوار کسائی پنا، زنا کاری، ایک دوسرے کے خون کا پیاسا، نفرت، کدورت،

حسد، تکبر، وغیرہ وغیرہ میں ہمیشہ مشغول رہتے ہیں۔ یہ غیر مسلمان لوگ نہیں ہیں، بلکہ محض کہلانے والے مسلمان لوگ ہیں جنہوں نے اپنے سیدھے سادے پاک دین کو۔ مذہب کو جو تمام خلقت کو اَمن کا سبق پڑھاتا ہے بدنام اور داغی بنادیا ہے انہوں نے خود ہی ''کفر'' اور ''کافر'' الفاظ کی غلط ڈھنگ سے توضیح کی ہے۔ اور اسی وجہ سے تمام دنیا کے سامنے اپنے اللہ میں ہی اعتبار رکھنے والے ''دین'' کی ایک گندی تصویر پیش کی ہے۔

عام طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے مطابق ''کافر'' وہ ہے جو مسلم نہیں ہے۔ لیکن یہ توضیح ایک دم غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جہاں کہیں بھی گئے، انہوں نے اپنے دین (مذہب) کو فروغ دینے کی غرض سے ہی ہر طرف تشدد و ظلم و ستم کو ہی بڑھاوا دیا ہے یہ سب اس اسلام کے صحیح اصولوں کے خلاف ہے۔ جس کا مطلب ہی ہے ''اَمن، چین اور اپنا دل خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت کر دینا۔

پیارے دوستو! ''کفر'' کا لفظی مطلب ہے ''چھپانا'' کیا۔ حق اور اصلیت کو چھپانا ''کفر'' ہے؟ اور جو حق کو چھپاتا ہے وہ ''کافر'' ہے۔

ایک ''کافر'' سچ (حق) کو کیسے چھپاتا ہے؟ وہ اِسے اپنی خودی پردے کے پیچھے چھپاتا ہے۔ جس کی جڑیں اُس کے ذاتی مفاد میں ہوتی ہیں دوسرے الفاظ میں ایک شخص جو ستیہ (حق) کے خلاف اپنے ذاتی مفاد اور اپنی انانیت کو بڑھاوا دیتا ہے۔ وہ ہی ''کافر'' ہے۔ مطلب کوئی بھی اللہ کے حکم کے خلاف بُرا کام کرنے والا ''کافر'' کہلاتا ہے اور ''حق'' کیا ہے۔ ''حق'' وہ ہے جو کل بھی وہی تھا، آج بھی وہی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ وہی رہے گا۔ اور ستیہ (حق) اصلیت میں صرف ایک ہی ہے۔ یہ صرف ایک ''اللہ'' ہے جو عین حق، عین علم اور عین سرور کی صورت میں ہے۔ اس لئے وہ بشر جو اپنی روز آنہ کی زندگی میں اِس ستیہ (حق) کو اپنے عمل (بیہوہار) میں نہیں لاتا اور الٹا اپنی دُنیاوی ہوس میں گرفتار اور مادہ پرستی کی دوڑ میں اپنی انانیت اور ذاتی مفاد کو بڑھاوا دیتا ہے۔ وہ ایشور، ستیہ کو (اللہ تعالیٰ) کو اپنی خودی (انانیت) کے پردے سے ڈھکنے کا کام کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا اللہ سے کوئی ناتا (لگاؤ) نہیں ہوتا۔ جیسے اُس کے واسطے خدا (اللہ) جیسی کوئی ہستی ہے ہی نہیں۔ ایسے ناپاک خیالات کے باعث وہ ''کفر'' کا مجرم ہوتا ہے اور اسے ہی خاص طور سے ''کافر'' کہا جاتا ہے۔

اللہ کے دیدار کے لئے یہ از حد ضروری ہے کہ ہم سبھی چیزوں میں سبھی کام کاج کے دھندوں میں چاہے وہ ہمارے حق میں ہوں یا نہ ہوں، ہم پورے اعتقاد کے ساتھ یہ محسوس کریں کہ اِس میں اللہ کا ہی ہاتھ ہے کیونکہ سب جگہ خدائے واحد کا ہی حکم چل رہا ہے اور اس کا حکم کسی سے مٹایا نہیں جاتا۔ خدا کی رضا میں رضا محسوس کرنا ہی سچا دین اور سیوا ہے یہ اور بھی سیدھا سادا اور آسان ہو جاتا ہے اگر آپ اُس کے حکم پر چلیں جس کا مطلب ہے قدرت کے اصولوں کے مطابق عمل کرنا جو مادی بھی ہے، علمی بھی ہے اور روحانی بھی ہے۔ صرف ایسا ہی شخص اپنے آپ کو (مومن) یا ایشور (اللہ) کا سچا عاشق (بھگت) کہہ سکتا ہے اور وہ شخص جو مطلبی واہنکاری ہے اُسے ہی ''کافر'' کا خطاب دیا جاسکتا ہے انسان جتنا ہی زیادہ اپنے نجی مفاد میں ڈوبتا ہے وہ اتنے ہی بڑے ''کفر'' کا مجرم بنتا ہے۔ اور اسے اُتنا ہی بڑا ''کافر'' کا خطاب دیا جاسکتا ہے اور اللہ اپنے بنائے گئے اصول کے مطابق اُس کے ''کفر'' یعنی پاپ کے لئے سزا دیتا ہے۔ اب فیصلہ کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ ''کفر'' کی کس طرح وضاحت کرتے ہیں اور کیسے ''کافر'' کا خطاب دیتے ہیں۔ صرف کلمہ پڑھنے سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں ہے جب تک کہ اسلام کی طرف سے عائد شدہ فرائض کو عمل میں ادا کرنے کے لئے تیار نہ ہو کیونکہ اسلام میں کردار کی قدر و قیمت ہے۔

مسلمان کہلانا بہت مشکل ہے۔ آسان نہیں ہے۔ بایں ہمہ اگر ہو سکے تو مسلمان ہی کہلاؤ۔ ایک سچا مسلمان سب سے پہلے اولیاء اللہ کے دین اور مسلک کو راحت بخش سمجھتا ہے اور اختیار کرتا ہے۔ اسے دین کے راستہ میں جو بھی دکھ یا تکلیف آئے اُس سے گھبراتا نہیں بلکہ خوشی خوشی برداشت کرتا ہے۔ اور اس میں لذت محسوس کرتا ہے اور اپنا محنت سے کمایا ہوا مال خُدا کی راہ میں لٹا دینے سے دریغ نہیں کرتا۔ مسلمان دین کا ملاح ہوتا ہے۔ اور موت وحیات کی قیود سے بالا ہو کر اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ اُسے نہ تو مرنے کا خوف ہوتا ہے اور نہ جینے کی تمنا۔ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہی راضی رہتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو ہی اپنا خالق اور مالک تسلیم کرتا ہے اور اپنی خودی۔ خود پسندی اور خودداری کو مٹا دیتا ہے جس شخص کے یہ خصائل ہوں وہ مسلمان کہنے کا حقدار ہے۔ وہ شریعت بن جاتا ہے یعنی سچے مسلمان کی صفت ہی شریعت کی پابندی ہے۔ اُس کا کوئی بھی کام شریعت کے خلاف نہیں ہوتا۔ اور وہ جو کچھ پڑھتا ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہے۔ وہ محض اللہ کی رضا کی

خاطر شریعت کے تمام حدود کو قبول کرتا ہے۔

سچا مسلمان وہ ہے جو اپنے دل سے تمام گندگیاں دور کر دیتا ہے اور پاک اور صاف ہو کر خدا کے حضور میں حاضر ہوتا ہے اور خدا کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کے لئے ہر دم تیار رہتا ہے۔ وہ صدق صبر اور کلمہ طیبہ کو ہر وقت یاد رکھتا ہے۔ مسلمان رحم دل ہوتا ہے اور وہ اپنے تمام میل کچیل اور کدورت کو دور کر دیتا ہے۔ دنیا کی ہوس اس کے نزدیک بھی نہیں آتی اور وہ پھول اور ریشم کی مانند پاک اور صاف ہوتا ہے۔ کسی بھی قسم کی غلاظت اُس کے قریب نہیں آتی۔

مندرجہ بالا اوصاف سچے مسلمان کے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑے افسوس کی بات ہے کہ اسلام کے پیروکاروں نے (مولوی اور ملاؤں نے) اپنی لاعلمی اور اپنا نجی مطلب نکالنے کے لئے اپنے اس سچے اور پاک دین (مذہب) کو بدنام کیا ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ "کافر" اور "کفر" لفظ کی غلط ڈھنگ سے توضیح کی گئی اور ان الفاظ کا غلط ڈھنگ سے استعمال ہونے کی وجہ سے معصوم لوگوں پر ظلم وستم کئے گئے جو اسلام دھرم (دین) کے بالکل خلاف ہے انہیں لوگوں کے مطابق ایک غیر مسلمان "کافر" ہے چاہے وہ کتنا ہی اللہ کے عشق ومحبت میں محو ہو یا نیک انسان ہو۔ اس طرح یہ کہنا تو بالکل غلط ہے کہ اگر ایک غیر مسلمان پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن شریف کی آیت میں اعتقاد نہیں رکھتا۔ تو ایک مسلمان کو یہ پورا پورا حق ہے کہ وہ اُس کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمان کے ذریعے کئے گئے گناہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ اس لئے معاف کر دے جائیں گے کیونکہ وہ ایک شریعت کا پابند مسلمان ہے مسلم فرقہ میں یہ ایک عام اعتبار ہے۔ یہ تمام غلط فہمی اور یہ لاعلمی اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہے۔ حقیقت میں نائت سے پیدا ہوا ظلم ان لوگوں کے لئے نقصاندہ ہے، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام امن کا دین ہے۔

اب اس بات کا فیصلہ کرنے کا دارومدار آپ پر ہے کہ بھولے بھالے اور سیدھے سادے نیک دل مسلمانوں کو اُس اسلام دھرم (دین) کے نام پر اس فرقہ واریت کی تعلیم دینا کہاں تک ٹھیک ہے کہ جو اسلام تمام دنیا کو ایک دوسرے سے ہمدردی، بھائی چارا قائم رکھنا صداقت، دل کی پاکیزگاگی، سخا، ضبط، تلاوت، ریاضت، سلامت روی اور وحدانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ نہ کہ نفرت اور کدورت کی۔ اس کی تعلیم کا آج یہ حشر ہے اِس لئے ہم سبھی ہندوں، مسلمانوں، عیسائیوں اور

بدھوں کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ہم آپسی محبت اور ایکتا کے ساتھ رہیں ساری خلقت ایک دھاگے میں بندھی ہوئی ہے کیونکہ اس کا اُس اللہ تعالیٰ سے سیدھا تعلق ہے جو اس ساری خلقت کا رچنے والا ہے۔ اگر آپ کے اللہ نے انہیں غیر مسلم گھروں میں جنم دیا ہے تو انہیں ''کافر'' کی پدوی (خطاب) دے کر اُن کا خون بہانے والے یا اُن کو بالکل ختم کرنے والے آپ کون ہوتے ہو؟ آپ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ کئے گئے کام میں نقش ڈھونڈنے کو کیسے اچھا کہہ سکتے ہو۔ آپ کی اللہ کے کام میں ٹانگ اڑانے کی ہمت کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یعنی جو اس کی مرضی ہوتی ہے وہی کرتا ہے۔ اللہ کا کوئی انسانی عقل احاطہ نہیں کر سکتی۔ وہ انسانی فہم وادراک سے بلند اور بالا ہے۔

کیا سورج صرف مسلمانوں کو ہی سب سے زیادہ پیار اور روشنی دینے والا ہے اور غیر مسلمانوں کو جھلسانے والی گرمی اور اندھا کر دینے والی روشنی مہیا کرتا ہے؟ کیا چاند ایک قوم کو سکھ دینے والا اور دوسری قوم کو دُکھ دینے والا ہے؟ کیا ہوا صرف مسلمانوں کو ہی سانس لینے میں برقرار رکھتی ہے اور غیر مسلمان مر جاتے ہیں؟ کیا وہ خدا-اللہ صرف غیر مسلمانوں کے کھیتوں میں اُولے برساتا ہے اور مسلمانوں کے کھیتوں میں نہیں۔ ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے لئے سب ایک ہیں چاہے وہ کسی ذاتی سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ میرے پیارے عزیز دوستو! آپ کے اپنے قرآن کے مطابق اللہ کی نگاہ میں سبھی برابر ہیں۔

آپ کے اللہ جو رب العالمین یعنی تمام عالم کا پروردگار، سارے کائنات کا مالک ہے، ہم سبھی کی پرورش ''اُسی'' سے ہے۔ ہم سبھی اُسی کی اولاد ہیں۔ کیا کبھی اُس اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کے ذریعے ''اُسی'' کے نام پر اپنی خود کی اولاد کا قتلِ عام ہوتے ہوئے دیکھ کر خوشی ہوگی؟ کوئی بھی باپ مسلمانوں کی ایسی بے رحمی دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتا۔ جب اللہ سب کا ہے تو ''کافروں'' اور مومنوں کے بیچ میں نفرت پیدا کرنے والے یعنی آپسی پھوٹ ڈالنے والے آپ کون ہیں؟ برائے مہربانی اِس بات کا خیال کریں کہ کیا آپ ایک سچے مومن ہیں۔ اگر آپ اللہ کی ہستی کو نہیں مانتے اور اپنے ذاتی مفاد کے لئے کام کرتے ہیں تو کیا آپ خود ''کافر'' نہیں ہیں؟ اسلام سچے معنی میں شانتی، امن، وچین سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا دین ہے۔ یہی اس کا لبِ لباب ہے۔

رام کو یہ ساری مندرجہ بالا باتیں کہنے کا بہت افسوس ہے۔ رام کے دل میں اسلام دین کی

سادگی اور اللہ پر پورا پورا اعتقاد کی وجہ سے اس کے ساتھ بہت زیادہ گہرا لگاؤ، محبت اور عقیدت ہے اور وہ تمام مسلمان بھائیوں کو اپنے جیسا سمجھتا ہے رام کو جو احساس ہے اور جو اُس نے محسوس کیا اُسی کے مطابق آپ سے محبت بھرے الفاظ میں کہتا ہوں جو حق ہے کیونکہ اپنے مہربانیوں سے کبھی بھی چھپانا گناہ ہے۔ اگر رام جو کہتا ہے وہ غلط ہے تو اس کی کہی ہوئی باتوں کو ٹھیک کیا جائے۔ رام کو اس بات سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ رام آپ کا اپنا ہے۔

مسلم نمائندہ: ہم نے "کفر" اور "کافر" الفاظ کی صحیح طرح سے کی گئی توضیح سے بہت کچھ سیکھا ہے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم سب بھائی بندھوؤں کو قرآن کے بنیادی اصولوں سے جانکاری کرائیں گے جیسا کہ ہمارے پاک گرنتھ "قرآن" میں تعلیم دی گئی ہے۔ آپ کو یہ جان کر ازحد خوشی ہوگی کہ اس لکھنؤ شہر میں ہماری یادداشت میں کبھی فرقہ پرست دنگے نہیں ہوئے ہیں۔ ہم مسلمان اور ہندو بغیر کسی فرقہ پرستی کے بھید بھاؤ کے ساتھ ساتھ رہتے سہتے ہیں اور ایک دوسرے کے خوشی یا غم میں شریک ہوتے ہیں اور آپس میں مروت، اخلاص، محبت اور رواداری سے رہتے ہیں۔

اس بارے میں ہم اپنے "کلمہ" کے بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہیں گے جو ہماری اسلامی تعلیم کا نچوڑ ہے۔

رام کا جواب: بہت اچھا! چونکہ آپ نے رام سے اسلام کے "کلمہ" کے بارے میں رائے جاننے کی خواہش کی ہے اس لئے "وہ" بڑی خوشی سے اِس بارے میں اپنا خیال ظاہر کرے گا۔ بے شک آپ کا اسلامی کلمہ نہ صرف اسلام کا نچوڑ ہے، بلکہ اللہ میں عقیدہ رکھنے والے سبھی دھرموں مذاہب کا مرکز بن سکتا ہے۔ بنیادی کلمہ کہتا ہے۔

لا الٰہ الا اللہ، اس کا مطلب ہے کہ ایشور یا اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک اُردو کا شاعر کہتا ہے:

جدھر دیکھتا ہوں خدا ہی خدا ہے
خدا سے نہیں کوئی شے بھی جدا ہے
مجھے ہر طرف اللہ ہی اللہ دکھائی دیتا ہے
اُس کے علاوہ کوئی ہستی نہیں ہے

یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

خدا تعالیٰ کے مقدس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کلمہ طیبہ کے ذریعہ خدائے واحد کو ماننے کی تلقین فرمائی ہے جو کہ ہر ایک کے اندر یکساں سمایا ہوا ہے۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ نہیں۔

اسلام کے نام نہاد پیروکاروں نے یعنی قاضی اور مولویوں نے اپنی نا سمجھی کی وجہ سے ''کلمہ'' کی غلط توضیح کی ہے۔ رام کے خیال میں انہوں نے اپنی لاعلمی اور غلط فہمی کی وجہ سے اسلام کے بنیادی عقائد کا ہی ملیامیٹ کر دیا۔ اُن کے مطابق کلمہ کا مطلب ہے ''اللہ صرف ایک ہے'' ٹھیک ہے؟ اگر مولویوں کی اِسی توضیح کو آخری مان لیا جائے تو اس کا مطلب ہوا کہ اسلام میں کچھ نیا نہیں ہے، کیونکہ ہر ''دین'' اور مذہب یہی تعلیم دیتا ہے کہ ایشور (اللہ) صرف ایک ہے۔

لیکن جو لوگ منہ سے کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد دروغ گوئی سے باز نہیں آتے اور جھوٹ بولنا اپنا شعار بنا لیتے ہیں، وہ قیامت کے دن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہیں گے یعنی جو لوگ دنیاداری کے دوزخ میں جل رہے ہیں اور اپنی برائی ترک نہیں کرتے ایسے لوگ محض زبان سے کلمہ طیبہ پڑھنے سے پاک وصاف نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہر شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کو کلمہ طیبہ کے مطابق بنائے۔ اس کے بعد ہی وہ حقیقی مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔

ویدانت (تصوف) کہتا ہے کہ ''ایشور (اللہ) صرف ایک ہے۔'' یا برہم (حیات حقیقی) کی بات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ''کوئی دوسرا خیال ہے ہی نہیں۔'' اِس کا مطلب یہ ہوا کہ ایشور (اللہ) صرف ایک ہے اور تمام خلقت میں ایک اللہ کی ہی ہستی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ سب کچھ ہے اور سب میں سمایا ہوا ہے۔ وہ سب جگہ ہے اللہ سے آگے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ سب میں ہے اور سب کچھ اُس میں ہے۔ آپ کا قرآن بھی کہتا ہے کہ اللہ آپ کی دل کی دھڑکن سے بھی کہیں زیادہ آپ کے نزدیک ہے۔

''وہ'' محض آپ کے دل کی دھڑکن سے بھی زیادہ آپ کے نزدیک نہیں ہے بلکہ ''وہ'' تو ہر ایک بشر کے دل کی دھڑکن سے زیادہ اُس کے نزدیک ہے! مسلم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ سب جگہ ہے اور سب کو دیکھتا ہے۔ ایک اُسی کا بھروسہ ہے۔ وہ تمام کائنات کے ایک ایک حصہ میں سمایا ہوا ہے۔

''وہ'' تصور کئے جانے والے ہر ایک ذرّہ ذرّہ میں موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہے، اللہ ہے، اور اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے نہ کچھ ہو سکتا ہے۔ پھر بھی اگر اللہ کے علاوہ

کچھ ہے تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ "وہ" ایک حد میں بندھا ہوا "ایشور" یا "اللہ" ہوگا۔ لیکن چونکہ اللہ لامحدود اور بے انتہا ہے تو اس کو حد میں نہیں باندھا جا سکتا۔ یہ کہنا گناہ ہوگا کہ اللہ کو کسی دوسری چیز کے ذریعے حد میں لا دیا گیا ہے۔ آپ برائے مہربانی اِس بھرم میں نہ پڑیں۔ میرے پیارے دوستو! "وہ" قادرِ مطلق، رحیم، کریم اور قدیر ہے اور وہ لامحدود ہے۔ آپ کا قرآن کہتا ہے "اللہ اکبر" اس کا مطلب ہے کہ اللہ قادر، الحق اور سبحان ہے۔ وہ عظیم ہے یعنی سب سے بڑا ہے اونچا ہے۔ وہ اتنا بڑا ہے کہ ہمارے تصوّر کے پرے ہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ سب میں ہے، وہ سب کچھ ہے۔

وحدانیت کا مطلب ہے توحید، ایک ہونا، جہاں دو کا بھاؤ نہ ہو۔ لاشریک یعنی اُس خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ اِس پورے کائنات میں صرف ایک اللہ ہی ہے کوئی دوسرا نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کے مولویوں کے ذریعہ آپ کے "کلمہ" کی توضیح میں کہا گیا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے۔ یہ سہی نہیں ہے۔ اس کا حقیقتاً مطلب یہ ہے کہ کائنات میں ہر سمت اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک اُردو کا شاعر کہتا ہے۔

جہاں دیکھتا ہوں خدا ہی خدا ہے

پیارے دوستو! اللہ کا سچا عاشق وہی ہے جو اُس کی ہستی کا احساس ہر جگہ پر کرتا ہے۔ وہ اپنے خدا کو ہر طرف دیکھتا ہے وہ اپنے دل کی گہرائی سے محسوس کرتا ہے کہ اُس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک دوسرا اُردو کا شاعر فرماتا ہے:

معشوق کا رتبہ تو محشر میں کوئی دیکھے
اللہ بھی مجنوں کو لیلیٰ نظر آتا ہے

دیکھنا ہو تو معشوق کا مرتبہ قیامت کے دن دیکھیں! مجنوں کو اللہ بھی لیلیٰ کی شکل میں دکھائی پڑتا ہے۔

یہ شاعر کی محض خیال بندی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔ ایک انسان جس کا دل اللہ تعالیٰ کے عشق میں شرابور ہے وہ اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اصلیت تو یہ ہے کہ ایک سچا عاشق (پریمی) بھگت تو ہر چیز میں اللہ کی ہی ہستی کا احساس کرتا ہے۔ اللہ کے علاوہ وہ نہ کچھ بھی احساس کرتا ہے اور نہ ہی دیکھ سکتا ہے اور وہی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا سچا عاشق ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ دکھاوا و بھلاوا اور ڈھونگ ہے۔ ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

جنونِ عشق ہوا ایسا کہ عالم گیر ہو جائے
جدھر ہی میں نظر ڈالوں تو ہی تو ایک نظر آئے

اے اللہ! آپ کے لئے میرا عشق پوری طرح سے ہونا چاہئے جس سے کہ میں جدھر بھی دیکھوں "آپ" ہی "آپ" دکھلائی پڑیں۔

"میں" اور "تم"، "میرا" اور "تمہارا"، "یہ" اور "وہ" اور سبھی طرح کے دو معنی خیالات سے بندھے ہوئے خیالوں کو ختم ہو جانا چاہئے۔ میرے خیال میں، الفاظ اور کام میں یعنی جو ہم زبان سے کہیں اور کام کریں، ان سب میں صرف ایک اللہ تعالیٰ کا باس ہونا چاہئے کیونکہ اللہ ہی ستیہ (حق) ہے۔ اُسی ایک اللہ کی ہستی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ جب اللہ ذرّے، ذرّے میں موجود ہے تو کسی دوسری چیز کی ہستی کی جگہ کہیں بچی ہے۔ اس دنیا میں سب کچھ بدلنے والا اور فانی ہے جب کہ ایک خدا کی ہستی ہی سدا قائم رہتی ہے۔ وہ ہر جگہ ہے۔ یعنی میں جدھر بھی رُخ کرتا ہوں اُسے اُدھر ہی موجود پاتا ہوں۔ وہی ہر چیز کا رکھوالا اور محافظ ہے۔ جو کچھ بھی ہے۔ وہی ہے اور صرف وہی ہے۔ جو انسان اِس حقیقت کو منظور نہیں کرتا وہ "کافر" ہے بھلے ہی وہ مسلمان گھرانے میں ہی کیوں نہ پیدا ہوا ہو۔

آپ کے حالیہ کلمہ کی ایک اور اہم شکل ہے۔

"لا الٰہ الا اللہ!" جس کا مطلب ہے۔ اللہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس پہلو پر تو ابھی ابھی بحث و مباحثہ ہوا ہے۔ کلمہ کا دوسرا حصہ ہے۔ "محمد رسول اللہ" (محمد رسول اللہ)۔ مطلب محمد اللہ کے پیغمبر ہیں۔ (محمد اس کے رسول ہیں)

اس بارے میں آپ رام سے اتفاق رائے ہو بھی سکتے ہو اور نہیں بھی ہو سکتے ہو لیکن عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ یہ حصہ محمد صاحب کی موت کے بعد جوڑا گیا تھا جس سے کہ اُنہیں وقت کے ساتھ ساتھ بھلا نہ دیا جائے۔

جیسا کہ آپ سبھی جانتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہت ہی سیدھے سادے اور اللہ میں محو رہنے والے انسان تھے۔ انہیں کسی قسم کا پاکھنڈ یا آڈمبر پسند نہیں تھا۔ وہ کبھی بھی اپنی خود کی بڑائی پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ حقیقت میں توحید یعنی ایکشورواد رسالت و آخرت پر دِل سے ایمان رکھتے تھے اُن کا رجحان تصوف کی طرف زیادہ رہا۔ اُن کی زندگی اور ایک طرح سے اُن کا

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہی آسرے پر تھا۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے الگ نہیں سمجھا کیونکہ انہوں نے خود کو پوری طرح سے اللہ پر قربان کر دیا تھا۔ وہ پوری طرح اللہ کے ہو چکے تھے۔ اور ان کا کچھ بھی اللہ سے الگ نہیں تھا۔ اس طرح وہ اپنے زمانہ حیات میں کبھی بھی اِس بات کی اجازت نہیں دیئے یا دے سکتے تھے کہ ان کا نام بنیادی ''کلمہ'' کے ساتھ جوڑا جائے۔ وہ ''کلمہ'' جو اس بات پر زور دیتا ہے کہ ''اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔''

پھر اسلام دین کے مطابق ''وحدہ لاشریک'' ہے یعنی اس خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ (وہ بنا کسی حصہ دار کے صرف ایک ہے)

جب خدا ہی سب کچھ ہے اور جب کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ لامحدود ہے تب کیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا نام، چاہے دوست یا پیغمبر کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جوڑنے کی رائے دے سکتے تھے؟ جو اس لامحدود کو محدود بنا دے۔ اس لئے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ''کلمہ'' کا دوسرا حصہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں یا خوشامدیوں کے ذریعہ ان کے لئے از حد عقیدت کی وجہ سے اس لئے جوڑ دیا کہ ان کے اس دارِ فانی سے کوچ کرنے کے بعد بھی جب تک اسلام اس دنیا میں پھلتا پھولتا رہے، ان کی یاد تازہ بنی رہے۔ رام کا ارادہ اِس نقطہ نظر کو رد کرنے کا بالکل نہیں ہے۔ آپ کے اُن کے ساتھ رضا مند ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اُن کی آپ پر اپنے خیالات تھوپنے کی کوئی خواہش نہیں ہے ہر ایک بشر کو پورا پورا حق ہے کہ وہ اپنے نظریہ کے مطابق ہی عمل کرے۔ رام نے اپنے خیالات ظاہر کر دیئے کیونکہ آپ نے اُس سے ایسا کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

مسلم نمائندہ: سوامی جی! آپ کی زبان سے بیان کی ہوئی تقریر میں نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی کوئی نقص نکالا جا سکتا ہے۔ لیکن صوفی (ویدانتی) ہونے کی وجہ سے آپ کے خیالات کی اُڑان بہت ہی اونچی ہے۔ اس لئے آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی سوانح عمری کو اسی پیمانے پر ناپا ہے۔ ہمارا دماغ آپ کی باتوں کو منظور کر سکتا ہے۔ مگر ہمارا دل اس کے خلاف ہے۔ مسلم ہونے کے باعث ہم اپنے بزرگوں کے ذریعہ کہی ہوئی باتوں کے خلاف نہیں جا سکتے۔ آپ اِسے ہماری لاعلمی کہہ سکتے ہو۔ مگر جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ہر طرح سے قابلِ احترام ہیں!

آپ ایک صوفی (ویدانتی) ہیں اور اس لئے آپ کو "ہمہ اوست" (میں "وہ" ہوں) کہنے کا حق ہوسکتا ہے۔ مگر ہم ابھی پوری طرح سے اس لائق نہیں ہو سکے ہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ اُس کے بھگت کے روپ میں (بھگت اور بھگوان- (عابد اور معبود) اپنے تعلق قائم کرسکیں۔ کیا ہمارے لئے اناالحق (میں خدا ہوں) کا اعلان کرنا پاپ (گناہ) یا کفُر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ صوفی (ویدانتی لوگ) کہتے ہیں؟ ہم توفی الحال "کلمہ" کا بنیادی عقائد بدلنے کا حوصلہ بھی نہیں کر سکتے۔

جواب: سوامی رام۔ حق (سچ) تو یہ ہے کہ رام کو ایک ویدانتی (صوفی) ہونے کی وجہ سے پورا پورا بھروسہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے اور یہ کہ "میں ایشور" (اللہ) ہوں، جیسے کہ دوسرے سبھی ہیں۔ اصلیت صرف ایک ہی ہے، واحد ہے، اللہ بے حد ہے۔ وہ جو بے حد ہے، اسے کسی چیز کی الگ ہستی کی وجہ سے حد میں نہیں باندھا جاسکتا۔ وہ سب جگہ ہے اس لئے یہ کہنا کہ میں اللہ ہوں کوئی پاپ نہیں ہے۔ کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن اپنے آپ کو اللہ کی ہستی سے الگ ایک ہستی ماننے کے لئے اصلیت کو منظور نہ کرنا عام طور سے ایک بڑا بھاری گناہ ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

خدا میں خودی کی جو دیتا دخل ہے
وہ منکر وہ کافر ہے اور بے عقل ہے

وہ جو اللہ کی ہستی میں اپنے اہنکار کا دخل دیتا ہے۔ وہ ناستک کافر اور بے عقل ہے۔

سوال: وہ کیسے؟

جواب: اس صاف اور صحیح بات کی جانکاری کرنے کے لئے دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس اصلیت کو جاننے کے لئے مثال کے طور پر اپنے جسم کو ہی لیجئے۔ کیا آپ کے جسم کے ہر ایک ذرّے ذرّے میں اللہ کا نور سمایا ہوا نہیں ہے؟ اور اس طرح سے آپ کا جسم بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی سے الگ نہیں ہے اور وہ چیز جو اللہ کی ہستی سے الگ نہیں ہے۔ وہ اُس کے ساتھ ہم ہستی بنائے ہوئے ہے۔ یہ صرف سب اللہ کی ہمارے اندر موجودگی کی وجہ سے ہے کہ آپ کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، کان سُن سکتے ہیں۔ ناک سونگھ سکتی ہے۔ اور آپ کا دماغ محسوس کرسکتا ہے "اُس کی" اندرونی طاقت کی کمی میں آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے، آپ جب گہری نیند کی حالت میں ہوتے ہو، تب آپ کا اہنکار (انانیت) خود بہ خود غیر حاضر رہتا ہے۔ اس وقت بھی آپ کی گہری نیند کی حالت میں اللہ آپ کے جسم میں متواتر کام کر رہا ہوتا ہے۔ اللہ محض آپ کے جسم میں ہی ایسا نہیں کرتا ہے بلکہ "وہ"

سبھی زندہ انسانوں کے جسم میں کام کر رہا ہوتا ہے۔ برائے مہربانی آپ اس بات کو خیال میں لائیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو الگ الگ جسموں میں اُسی طرح کام کر رہا ہوتا ہے جس طرح آپ کے جسم میں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ قوت ایک ہی وقت میں مشین کی طرح سبھی جسموں میں کام کر رہی ہوتی ہے، جیسے کہ ہم سب کا جسم خود اللہ کا ہی جسم ہو لیکن ہم اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنے آپ کو خود کرنے والا مان بیٹھے ہیں۔ ہم اس بارے میں اللہ کا خیال کرتے ہی نہیں ہیں۔ ہمارا جسم، ہمارا دھن، ہماری ملکیت، ہماری بڑائی، ہماری عورتیں، اور ہمارے بچے وغیرہ وغیرہ سبھی اُس اللہ کے بدولت ہی ہیں۔ یہ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ ہم ان چیزوں پر اِس طرح سے اپنا دعویٰ اپنا حق مانتے ہیں جیسے کہ یہ ہماری نجی جائداد ہوں، میرے پیارے دوستو! میرے عزیزو! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ اللہ کی بخشی ہوئی چیزوں کا اپمان کرنا ہے۔ یہ ایک گناہ ہے۔ جب اللہ سب جگہ موجود ہے، وہ محتاج اور فانی نہیں ہے۔ "وہ" علیم ہے یعنی وہ سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہے تو "اس کی" ہستی سے کوئی چیز الگ کیسے رہ سکتی ہے؟ کیا سمندر (بحر) کی بوند، بحر سے الگ ہو کر اپنی ہستی کو مٹا دے گی؟ یہ سب کچھ بحر ہی ہے۔

سوال :جب ہم سبھی اللہ ہیں، تب تو یہ ساری کائنات ہی اللہ ہے اور ایک ایک اللہ کی جگہ پر ہر ایک الگ الگ کائنات (خلقت) میں لاکھوں کروڑوں اللہ ہیں؟

جواب :اگر آپ رام کی کہی گئی باتوں کا غلط مطلب نکالتے ہیں تو اسے یہ کہنے کے لئے معاف فرمائیں کہ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ رام نے ابھی ابھی آپ کو بحر کی ایک بوند (قطرہ) کی مثال دی تھی۔ بحر میں بے حد قطرات ہوتی ہیں، پر وہ قطرات بحر کی ہستی میں شامل ہیں۔ اسی طرح بحر میں اَن گنت لہریں اٹھتی ہیں۔ وہ سبھی ایک دوسرے سے الگ دکھائی پڑتی ہیں۔ کچھ اونچی تو کچھ نیچی، کچھ بڑی تو کچھ چھوٹی، کچھ کھڑی تو کچھ سیدھی ہوتی ہیں، لیکن پھر بھی وہ سبھی بحر کی ہستی میں شامل ہوتی ہیں۔ الگ الگ دکھائی دینے کے باوجود کیا انہیں الگ الگ بحر کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے؟ نہیں! کیونکہ اس بحر کا پانی سبھی لہروں میں یا قطرات میں ایک ہی شکل میں موجود ہے۔ ٹھیک اسی طرح سبھی الگ الگ چیزیں اور ہر ایک بشر اللہ کے بے حد بحر کی الگ الگ لہروں کی طرح ہے۔ وہ سبھی اس قادر مطلق عالم گیر اللہ کی ہستی میں ہی سمائے ہوئے ہیں۔ ان سبھی الگ الگ دُنیاوی چیزوں میں ایک ہی اللہ کی طاقت ایک ساتھ ویسے ہی کام کر رہی ہے جیسے بحر کا آب لہروں اور

قطرات میں۔

اس طرح آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ان الگ الگ مادی چیزوں کو الگ الگ ایشوروں (اللہ) کی پدوی نہیں دی جا سکتی۔ جس طرح بحر کی الگ الگ لہروں میں سمندر کا وہی پانی ہر جگہ سمایا ہوا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اللہ بھی اس خلقت میں (اس تمام کائنات میں) ہر ایک ذرّے ذرّے میں موجود ہے۔ چیزیں آپ کو الگ الگ دکھائی پڑ سکتی ہیں لیکن وہ سبھی اُس لافانی اور عالم گیر اللہ کی ہی قوت کا حصہ ہے۔

سوال: اگر سب کچھ ایشور (اللہ) ہے اور اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے تو اس دُنیا میں پاپی (گنہگار) لوگ کیوں ہیں؟ ''اللہ'' جیسا کہ آپ جانتے ہیں، پاک ہے اور سب گناہوں سے آزاد ہے، بے محتاج ہے، جب اللہ سب میں موجود ہے تو لوگ کیسے اور کیوں پاپی و گنہگار ہیں؟

جواب: رام آپ کو یاد دلانا چاہتا ہے کہ آپ کے اپنے قرآن شریف کے کہنے کے مطابق اللہ آپ کے اپنے دل کی دھڑکن سے بھی زیادہ آپ کے نزدیک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہر ایک فرد میں موجود ہے۔ اب آپ کو اپنے ہی پاک قرآن کی ہدایت کے مطابق آپ کو ہی بتلانا ہوگا کہ بنی نوع انسان میں گناہ کیوں پیوست ہے۔ اگر آپ سب کچھ خدا تعالیٰ کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں گے تو آپ کو صرف اللہ کا درشن (دیدار) ہوگا اور اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں دکھلائی دے گا۔

سوال: اس میں ہمیں اندیشہ ہے۔ برائے مہربانی اس کو صاف صاف بیان کریں۔

جواب: اس میں کوئی اندیشہ یا اعتراض نہیں ہونا چاہئے مگر یہ تھوڑا الجھا ہوا لگتا ہے پر ایسا نہیں ہے۔

کچھ لوگوں کو اپنی پاک کتُب کے مطابق یقین ہے کہ کائنات کے ایک دم شروع میں ہی آدم اور حوّا گناہ میں مشغول ہوئے اور انسان، جو اُس کی اولاد ہے اُس نے آنے والے جنموں میں اسے ہی حاصل کیا۔ اُن کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ ان کے مرشد یا پیغمبر کی رضا سے اُن کے تمام گناہ معاف کردئے جائیں گے۔ اُن کے اس قسم کے ترک یا اس طرح کا بھروسہ کرنا آج کل کے عالموں کے اعتقاد سے پرے ہے۔ یہ محض ایک اندھ وسواس (لاعلمی) ہی نہیں ہے بلکہ بے بنیاد بھی ہے۔ آج کل کے سائنسداں اور شائستہ عالم فاضل لوگوں کے نقطہ نظر سے اس زمانے میں اس قسم کی توضیح قابل اعتبار نہیں مانی جائے گی۔

آپ کو معلوم ہے کہ تہذیب اور تمدن کے اس موجودہ زمانے میں جہاں آج ہم ہیں وہاں ہم ایک دم نہیں پہنچے ہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے ہم آج اس موجودہ حالت تک پہنچ سکے ہیں۔ ایک طالب علم جو آج ایک اونچے درجے کی پڑھائی کر رہا ہے۔ وہ کبھی تیسری جماعت کا طالب علم تھا مگر آہستہ آہستہ مدرسہ اور ہائی اسکولوں میں نچلی جماعت میں پڑھتے پڑھتے آج وہ اعلیٰ درجہ کا طالب علم ہے، وہ یک لخت ایک اعلیٰ درجہ کا طالب علم نہیں بن سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ آج آپ کی عمر پچاس یا ساٹھ سال کی ہے اور لوگ آپ کو عالم فاضل، بڑا عقلمند اور تجربہ کار مانتے ہیں مگر ایک ایسا بھی وقت رہا ہوگا جب آپ ایک بھولے بھالے اور انجان بچے کی شکل میں اپنی اماں جان کا دودھ پی رہے ہوں گے۔ اور بعد ازاں آپ آہستہ آہستہ ایک بچہ، ایک جوان، ایک ادھیڑ عمر کی شکل میں ڈھل گئے اور آج آپ ایک بڑے عقلمند، تہذیب یافتہ، تجربہ کار اور عزت دار، معزز، اور نیک انسان ہیں۔

اسی طرح، گہرے بے تعلق اور گہرائی سے سوچ وچار کے ذریعہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو آج ہم جس شکل میں دیکھتے ہیں اُس نے یہ ردوبدل یک لخت اختیار نہیں کی ہے۔ آہستہ آہستہ اپنے نیک اعمال کے ذریعہ اُس نے تمام حیوانی شکلوں سے گزرتے ہوئے آج اپنے آپ کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ ترقی پا کر انسانی شکل میں پہنچنے کے بعد بھی بلندی کا راستہ یہاں بھی ختم نہیں ہوا ہے کیونکہ ہم آج بھی ارتقاء کے راستہ پر ہیں۔ شروع میں انسان کی شکل میں ہم اپنی بھوک مٹانے کے لئے کچا گوشت کھاتے تھے۔ اور تھوڑی زیادہ ترقی ہو جانے کے بعد ہم نے کھیتی باڑی کرنا سیکھ لیا اور گاؤں اور شہروں میں رہنے لگے۔ اس کے بعد اور زیادہ ترقّی یافتہ ہو کر ہم اس سے بھی زیادہ عقلمند ہو گئے اور ہم نے پڑھنا، لکھنا سیکھ لیا۔ اور اب ہم سائنس اور تکنیک (Technice) میں ترقی کر رہے ہیں۔ ہم اب آہستہ آہستہ کم مطلبی ہوتے جا رہے ہیں اور ہمارا نقطہ نظر زیادہ رحم دل اور لوگوں کی بھلائی کی طرف مائل ہوتا جا رہا ہے۔ اس طرح ہم لگاتار ہر دائرے میں ترقی کی طرف چلے جا رہے ہیں۔

جدید سائنس نے اپنے لاجواب تجربات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ لاعلمی کی تمام نیچی منزلوں سے گزرتے ہوئے ہم ارتقا کا راستہ اختیار کر کے ہم آج انسانی شکل تک پہنچے ہیں۔ آپ

کسی بھی جدید میڈیکل کالج کے امراض نسواں سے متعلق میوزیم میں چلے جائیں تو آپ کو اس بات کا پتا چلے گا کہ قدرت اپنے آپ کو دوہراتی ہے اور یہ ایک عورت کے حمل کے دن سے ہی یہ ایک چھوٹے سے نطفہ سے لے کر ایک مچھلی، ایک سانپ، ایک مینڈک، ایک بلی، ایک کتا اور ایک بندر کی شکل میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اور ایسا تب تک ہوتا رہتا ہے جب تک وہ انسانی شکل اختیار نہیں کر لیتا۔ ترقی کے ان مختلف درجات کو مختلف بوتلوں میں حفاظت سے رکھ کر تجربات کئے گئے ہیں۔

اس ارتقائے تغیر سے ہو کر انسانی شکل میں پہنچنے کے بعد بھی لگاتار ہماری ترقی ہو رہی ہے۔ جس طرح سے ہم مادہ پرست مطلبی حدود کے گھیرے سے نکل کر علم معرفت اور برادرانہ محبت کی طرف مائل ہوں گے اُسی طرح ہم اور اونچی سے اونچی منزل تک پہنچیں گے اس وکاش (ترقی) کی کوئی حد نہیں ہے اور یہی لامحدودیت ہمیں اللہ تک پہنچاتی ہے، دوسرے الفاظ میں، انسان کو مضبوط ارادے کے ساتھ اپنے آپ کو اس حد تک ترقی کے اعلیٰ منازل پر پہنچانا ہے کہ وہ اللہ کا دیدار کر سکے اور تمام مخلوق میں خود کو محسوس کرنی ہوگی۔ یہ حدود سے با اخلاص با اطمینان اور بالاتر ہو کر اُس قدر، عالم گیر کا دیدار حاصل کرنے کا انسان مستحق ہوگا۔

اسی طرح سے ہم لگاتار حیوانوں شکل سے بالآخر ترقی کرتے کرتے انسانی شکل کی طرف بڑھتے آئے ہیں مگر چونکہ انسان ابھی ابھی حیوانی شکل سے ترقی کرتا کرتا موجودہ حالت میں پہنچا ہے۔ اس لئے اُس کی خصائل ابھی تک حیوانوں والی ہی بنی ہوئی ہیں۔ یہ خصائل حیوانوں میں شروع سے ہی فطرتاً ہیں۔ لیکن یہ انسانی فطرت میں نہیں ہے۔ اُردو میں اسے حیوانیت کہتے ہیں۔ مگر انسان سے، جس کے پاس عقل و فہم ہے، یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنی ذاتی مفاد سے لاچار ہو کر حیوانوں کی طرح برتاؤ کرے۔ مطلب پرستی، اپنا ذاتی مفاد اور لالچ ہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ غصہ، لالچ، حسد، نفرت، کدورت، تکبر اور اندرونی پاکیزگی نہ ہونا اور علم اخلاق سے محروم ہونا یہ سب خصلت صرف قدرتی طور سے حیوانوں میں ہی پائی جاتی ہیں۔ جو ایک کے لئے خوراک ہے وہ دوسرے کے لئے زہر ہے انسان میں اِن میں سے کسی بھی بری عادت میں مشغول ہونا یہ اشارہ کرتا ہے کہ اُس نے اپنے آپ میں ابھی بھی حیوانیت کا مادہ اختیار کیا ہوا ہے۔

اس طرح آپ دیکھیں گے کہ حیوانیت سے اوپر اٹھنا پاپ (گناہ) سے اوپر اٹھنے کے برابر ہے۔ اور گناہوں سے اوپر اٹھنا سب رنج و غم پریشانیاں، دکھ و تکلیف وغیرہ وغیرہ سے چھٹکارا پانے کا

ایک اہم طریقہ ہے۔ یہ گناہ آپ کو منزل مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ اپنی زندگی میں آگے بڑھنا اور ترقی کرنا اپنے آپ میں ایک بڑی خوبی ہے اور اپنے آپ کو غرق کرنا یعنی اپنی ہستی کو بالکل ختم کر دینا ہی گناہ ہے۔ ذرا سوچئے کہ آپ ایک سیڑھی پر کھڑے ہیں۔ اُس سیڑھی پر اُوپر چڑھنا ہی ایک خوبی ہے اور نیچے کی طرف جانا گراوٹ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے انسان جتنا ہی زیادہ اپنے نجی مطلب (ذاتی مفاد) اور اہنکار (انانیت) کے دائرے سے اوپر اٹھتا ہے اتنی ہی اس کی خوبیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

جب کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انسان ایک عقل وفہم رکھنے والا بشر ہے یعنی تمیز ہست ونیست (حق سے باطل کی تمیز) کرنے والا فرد ہے جتنا ہی وہ اپنے علم طبعیات، علم اخلاق اور علم معرفت علم کے ذریعے حق سے باطل کی تمیز کرتا ہے، اُتنا ہی وہ تہذیب اور ترقی یافتہ بن جاتا ہے اس طرح عمل کرتے کرتے ایسا شخص اپنے عشق ومحبت کا دائرہ بڑھا کر اور ہر بشر میں اپنے آپ کا احساس کر کے کم بے مطلبی ہوتا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بالکل نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح وہ خود کو قدم بہ قدم سب میں دیکھنے لگتا ہے یعنی ہر ایک فرد میں اسے اپنا ہی جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔

حقیقی علم کی کمی ہی سبھی گناہوں کی جڑ ہے، یعنی علم الٰہی کو ہی اصلیت میں نہ جاننا ہی سب گناہوں کی جڑ ہے۔ اسی لاعلمی کی وجہ سے خودی (انانیت) جنم لیتی ہے جو بدلے میں عام طور پر ہر بشر کے اندر دورُخی پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے اندوہ، حرمان وغصہ، تکبر، نفرت، کدورت، آپسی دشمنی، حسد وغیرہ جیسی چیزیں اُبھرتی ہیں۔ اس طرح کا دماغی فتور اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ابھی بھی کم یا بیش سبھی انسانوں میں حیوانیت موجود ہے۔ اس طرح کی لاعلمی کو آہستہ آہستہ دور کرنے سے ہر بشر انسانیت کی جو آخری منزل ہے یعنی راحت اور نجات کا راستہ دکھانے والی ہے۔ وہاں پہنچنے کے لئے قدم بڑھاتا ہے۔ ایسا شخص آہستہ آہستہ قدرت یا اللہ جو عین حق، عین علم اور عین سرور کائنات ہے۔ اس کو اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے۔ یہ جو خودی یا اہنکار ہے ہمیں اللہ تک نہیں پہنچنے دیتی ہے۔ ایک اُردو شاعر کہتا ہے:

نہ ہوتی گر خودی ہم میں تو، جو تو تھا وہی ہم تھے
یہ پردہ کس لئے ڈالا ہے یارب درمیان تو نے

یااللہ! اگر خودی جیسی چیز نہ ہوتی تو میں وہی ہوتا جو تو ہے۔ میں سمجھ نہیں پاتا کہ تو نے اپنے

اور میرے درمیان یہ اہنکار کا پردہ کیوں کر ڈال رکھا ہے۔

ہندوستان کا آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ "ظفر" فرماتے ہیں:

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے مٹا
جو وہ پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے پردہ میں ا نہ وہ پردہ نشیں
کوئی دوسرا اُس کے سوا نہ رہا

جب میں نے اپنے اہنکار کو ختم کر دیا تو اللہ اور میرے بیچ میں کوئی پردہ نہ رہ گیا اب وہ نہ دکھائی دینے والی ہستی پردہ کے پیچھے نہیں چھپی ہے اور اب اس کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے۔

اس لئے جب تک ہم مستقل طور سے اپنی خودی کو بالکل ختم نہیں کر دیتے ہیں، جو ہمیں دوسروں سے الگ رکھتی ہے تب تک ہم اُس کے قریب نہیں پہنچ سکتے، اُس کے ساتھ ایک ہونے کی بات تو دور رہی۔ یہی بات دوسرا شاعر کہتا ہے:

فنا بغیر بقا کا پتہ نہیں چلتا
خودی بغیر مٹائے خدا نہیں ملتا

خود کو بغیر ختم کئے ہوئے اُس اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا اور اُسی طرح اپنے اہنکار کا ناش کئے بنا "اُس" تک نہیں پہنچ سکتے۔

ایک پتنگے کی مثال لے لیجئے۔ اس کے اندر موم بتی کی روشنی کے لئے اتنا گہرا تعلق ہے کہ وہ اس روشنی کے ساتھ ایک ہو جانے کے لئے اپنی زندگی کی قربانی دے دیتا ہے یعنی خود نور (روشنی) بن جاتا ہے۔ ایک اُردو کا شاعر کہتا ہے:

ایک ہی جست میں لی منزل مقصود اُس نے
رہ روئے رشک کی جاہ ہے سفر پروانہ

ایک ہی چھلانگ میں وہ اپنے سفر کے آخری پڑاؤ پر پہنچ گیا حق کے راستہ پر چلنے والے اے مسافرو، پتنگے کا سفر کیا حسد کے قابل ہے؟

اگر آپ اللہ کے سچے عاشق ہو اور اس سے ملنا چاہتے ہو تو آپ اپنی خودی یعنی اہنکار کا پوری طرح سے تیاگ کر دیجئے یعنی اِسے قطعاً ختم کر دیجئے۔

اور اللہ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیں۔ اب آپ چونکہ ایک انسان ہیں، حق سے باطل کی تمیز رکھنے والے ترقی یافتہ اور سب سے اعلیٰ مخلوق ہیں، آپ کو چاہئے کہ آپ ترقی کے سب سے بلند زینے پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ اب آپ کو اپنی حیوانیت والی عادت کو الوداع کردینا چاہئے۔ اگر آپ فوراً ایسا نہیں کرسکتے تو آپ کو آہستہ آہستہ اونچا اٹھنا ہوگا اور ارتقاء کرنا ہوگا یعنی ترقی کرکے آگے بڑھنا ہوگا اور سب میں واحد ہونے کے متعلق اپنے دائرے کو پھیلانا ہوگا۔ ایسا کرکے آپ ایک نہ ایک دن واصل الحق ہوکر اللہ کے ساتھ وحدت قائم کرلیں گے۔ بہتے ہوئے دریا کو ایک نہ ایک دن سمندر میں ملنا ہی ہوتا ہے۔ یہی قدرت کا قانون ہے۔ اِسی طرح آپ کو لگاتار آگے بڑھتے رہنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہئے۔ جب تک آپ اپنی زندگی کی منزلِ مقصود کو حاصل نہ کرلیں۔ آپ ٹھہریں نہیں۔ آپ میں جو حیوانیت کی خصوصیات موجود ہیں وہ آپ کو آگے بڑھنے سے روکتی ہیں اور ان کی وجہ سے آپ کو شرمندگی اور ناکامیابی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اپنے اندر لگاتار زور مارنے والی حیوانیت کو دفع کردیں جو انسانی زندگی میں گناہ کا باعث ہے۔

آپ کا صادر اللہ تعالیٰ سے ہوا ہے اللہ آپ میں ابتداء سے موجود ہے اور وہی اصلی ذاتی طبع زاد ہے۔ اگرچہ آپ اُسی میں رہتے ہیں اور اس کے ذریعہ محفوظ رہتے ہیں۔ پھر بھی آپ خود کو اللہ سے الگ سمجھتے ہو۔ اس لئے آپ کو سب سے پہلے اصلیت کو جاننا ہوگا جس سے کہ آپ مکمل انسان بننے سے پہلے اپنے پچھلے حیوانیت کو ترک کرسکیں۔ تب آپ ایک ایک قدم چل کر ترقی کرتے کرتے فرشتہ خو، پری پیکر کی طرف بڑھ سکتے ہو اور اس کے بعد اللہ کے ساتھ ایکتام قائم کرسکتے ہو جو کہ آپ بذاتِ خود ہو یعنی جو کہ آپ حقیقت میں ہیں۔

سوال: کیا ہندوؤں کے ذریعہ کئے گئے گناہوں کے لئے معافی مل سکتی ہے؟ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: ہندو فلسفہ کے مطابق گناہوں سے نجات کسی بھی شخص کو کسی بڑے پیر، فقیر یا اولیا کی سفارش کے ذریعہ نہیں ملتی بلکہ اپنے اچھے اور نیک اعمال پر ہی منحصر ہے۔ یہاں کسی کی سفارش نہیں چلتی۔ ہندو فلسفہ کے مطابق ہر کام اور تدبر قدرت کے اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں، کوئی بھی بشر قدرتی قانون یا اصولوں سے بچ نہیں سکتا۔ یہاں کسی کی سفارش کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ اگر آپ اصلیت میں راست بازی صدق دلی اور مضبوط ارادے سے توبہ کرتے ہیں تو آپ مستقبل

میں دوبارا گناہوں میں مشغول ہونے سے بچ سکتے ہیں اگر آپ اپنے ماضی، گزشتہ زمانے کے کئے گئے گناہوں کے لئے معافی چاہتے ہیں تو آپ کو اپنے دوئی پن کو بالکل ختم کردینا ہوگا۔ اپنی خودی (انانیت) کو اللہ میں غرق کردینا ہوگا۔ اس حالت میں پہنچ کر آپ، آپ نہیں رہ جائیں گے اور نہ ہی کوئی گناہ آپ کا رہ جائے گا جن کے واسطے آپ کو دُکھ بھوگنا پڑتا ہے۔ وہ سب کے سب اپنے آپ ختم ہوجائیں گے۔

سوال: محترم سوامی جی، ابھی ابھی آپ نے کہا تھا کہ کوئی ماضی میں (گزشتہ زمانے میں) اپنے ذریعہ کئے گئے گناہوں سے بچ نہیں سکتا، کیونکہ وہ ان گناہوں کے نتائج سرانجام دینے کے لئے بندھا ہوا ہے۔ مگر اب آپ کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے اہنکار (خودی) انانیت کا اللہ میں سماوات کردے تو اس کے سب گناہ ختم ہوجائیں گے۔ کیا اس بارے میں آپ تھوڑی اور روشنی ڈالیں گے کہ یہ کس طرح ممکن ہے؟

جواب: اگر ایک انسان دوسرے انسان کا قتل کرتا ہے تو اُسے سزا ملتی ہے، مگر مقدمے کے دوران اگر فیصلہ ہونے سے پہلے اُس کی موت ہوجاتی ہے تو اس کا مقدمہ وہیں رُک جاتا ہے اور اسے جو سزائے موت ملنے والی ہوتی ہے، اُسے بھی موقوف کردیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنے اہنکار (خودی) کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصلیت میں انسان کی خودی روح کو حد میں سمجھنے کا خیال انانیت کا خیال ہے، جو گناہ کرتا ہے۔ جب اس اہنکار (خودی) جو اصل پاپی ہے (گنہگار ہے) اُس کی موت ہوگئی تو سزا کس کو دی جائے گی۔ اہنکار (خودی) کے فنا ہونے کے ساتھ ساتھ گناہوں کی سزا کا بھی خاتمہ ہوگیا! یہ آپ کی اپنی خودی ہی ہے۔ جس کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو اللہ سے الگ مانتے ہو۔ مگر جب آپ کے اہنکار کا ناش ہوجاتا ہے تو آپ خود اللہ ہوجاتے ہو اور ایک اللہ کے روپ میں آپ کو کوئی پاپ چھو بھی نہیں سکتا اس لئے کسی طرح کی سزا کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اصلیت تو یہ ہے کہ آپ اس عالم گیر اللہ تعالیٰ سے کبھی الگ یا دور رہتے ہی نہیں ہیں۔ یہ محض آپ کا خیال ہے۔ جس نے آپ کو اللہ سے دور رکھا ہوا ہے۔ اس حقیقت کو انکار کرنا ہی سب سے بڑا گناہ ہے کیا بحر کی ایک بوند (قطرہ) کہہ سکتی ہے کہ وہ بحر سے جدا ہے؟ کیا بحر کی لہر بحر سے الگ ہو سکتی ہے؟ نہیں، کبھی نہیں! اللہ ہر جگہ موجود ہے، یہ تصدیق کرتا ہے کہ کائنات اللہ کا ہی ایک روپ ہے جیسے کہ برف میں پانی بحر میں قطرے اور لہریں یہی صرف ایک

سچ ہے (حق ہے) اور باقی باطل ہے یا دھوکا۔

جب تک انسان میں اہنکار (خودی) موجود ہے، وہ خود کو افعال و اعمال کا فاعل سمجھتے ہوئے ان کے ثمر کا خواہاں ہے اور نیک و بد کا ذمہ دار ہے۔ لیکن جب اُس کو یہ عرفاں ہو اور............ فاعل حقیقی خدا کی قدرت ہے۔ تو وہ اعمال کی جزا و سزا ج سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ گویا عرفان کی آگ میں اس کے تمام کرم جل جاتے ہیں اپنی خودی کو خلوص کو خلوص کی قربانی گاہ پر بھینٹ چڑھانے اور اپنی زندگی کو خدا کے لئے وقف کر دینے سے روح کے سب دروازے کھل جاتے ہیں۔ انسان خدا کا ہو جاتا ہے اور خدا انسان کو اپنا لیتا ہے۔

سوال: اب ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ برائے مہربانی ہندوؤں کی مورتی پوجا پر کچھ روشنی ڈالیں۔ ہم مسلمان لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔

جواب: سب ہندو بُت پرست نہیں ہیں۔ مگر ان میں چند ضرور ہیں آپ رام کو یہ کہنے کے لئے معاف کیجئے گا کہ ہندوؤں کی بت پرستی کم و بیش مسلمانوں کی تعزیہ داری یا دیگر مسلم مذہبی دستور کے مطابق ہیں، مسلم لوگ تعزیہ پر پھول مالائیں چڑھاتے ہیں جو محض کاغذ کا مقبرہ ہے اور جو حضرت امام حسین کے تابوت کی علامت ہے۔ وہ تعزیوں کے سامنے اگر بتیاں جلاتے ہیں، وہ اپنے رنج و غم اور ماتم پرستی ظاہر کرنے کے لئے اپنا سینہ (کلیجہ) پیٹتے ہیں۔ اگر کوئی شخص تعزیہ کو نقصان پہنچاتا ہے یا ان کی تعزیہ کی پرستش کی رسم و رواج کے خلاف کچھ کہتا ہے تو مسلمان لوگ اس پر جھپٹ پڑتے ہیں اور بدلے میں اُس کی جان ستانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ مسلمان لوگ مزار پر بڑی قیمتی قیمتی چادریں چڑھاتے ہیں۔ مسلمان لوگ فوت شدہ لوگوں کی قبروں کو چومتے ہیں اور قبروں کے پاس جا کر اپنی اپنی مرادیں مانگتے ہیں۔

مسلمان مسجدوں کو اللہ کا گھر کہتے ہیں جب کہ آپ کے اپنے قرآن شریف کے مطابق اللہ قادر مطلق ہے۔ ایک اُردو کا شاعر کہتا ہے:

واعظ شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتادے جہاں پر خدا نہ ہو

اے واعظ (خطبہ پڑھنے والے) مجھے مسجد میں بیٹھ کر شراب پینے دے نہیں تو

مجھے ایسی جگہ بتلا دے جہاں پر اللہ کی ہستی نہ ہو۔

اگر کوئی مسجد میں سے ایک اینٹ بھی نکال لیتا ہے یا بلا ارادہ اُسے کسی طرح کا نقصان پہنچا دیتا ہے تو ممکن ہے کہ اسے اپنی زندگی سے ہی ہاتھ دھونا پڑ جائے۔ جب مسلمان عرب میں حج کرنے کے ارادہ سے کعبہ جاتے ہیں تو پتھر کے کچھ ٹکڑوں کو جسے ''اسود'' کہتے ہیں ان کو عزت دینا اپنا پاک مذہبی فرض سمجھتے ہیں اور اپنی دلی عقیدت پیش کر کے انہیں چومتے ہیں۔ مسلمان لوگ تمام منزل طے کر کے ہندوستان و دوسرے ملکوں سے گزر کر عبادت کرنے اور کعبہ کا دیدار کرنے کے ارادے سے عرب جاتے ہیں جیسے کہ اللہ کا گھر محض کعبہ میں ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کہیں نہیں۔

مسلمان لوگ جائداد اور اپنی دولت کو ہی قدر یہ سمجھ کر اس کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنی زمین، دولت، جائداد وغیرہ کے لئے اپنی زندگی کو بھی قربان کر دیتے ہیں کیا یہ سب مادہ پرستی نہیں ہے؟ مال و دولت جیسی مادہ چیزوں کی پرستش بھی ایک طرح کی بُت پرستی ہے اور یہ انسان کے ذریعہ کی جانے والی حق یا خدا کی پرستش کے راستے میں ایک روکاٹ ہے یہ سب کچھ غیر حقیقی ظاہری اور بے وجود پرستش (عبادت) ہے، جسے اسلام اپنی شریعت کے مطابق اجازت نہیں دیتا۔ مگر عام طور پر مسلمانوں کو اس طرح کے دستور پر کوئی اعتراض نہیں ہے جب کہ قرآن میں اس طرح کی عبادت پر روک لگائی گئی ہے۔ پھر بھی آپ مسلمان لوگ ہندوؤں کی بُت پرستی کی ملامت کرتے ہو۔ برائے مہربانی، ان اندرونی ارادوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، اور غیر حقیقی اور ظاہری باتوں میں نہ الجھئے۔ یہاں پر رام کو شری رام کرشن کی زندگی کا ایک واقعہ یاد آتا ہے جو سوامی وویکانند کے رہنما پیر (مرشد) تھے۔

ایک واقعہ جناب کیشب چندر جو برہم سماج کے صدر مجلس تھے عالیجناب رام کرشن جی سے ملاقات کرنے گئے۔ انہوں نے انہیں کالی ماں کے بُت کے سامنے اپنے آپ کو ایک مرکز پر دھیان میں مشغول دیکھا اُن کی آنکھیں بند تھی اور ان کی آنکھوں سے لگاتار آنسو جاری ہو رہے تھے اور وہ بار بار ماں-ماں کی رٹ لگائے ہوئے تھے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد جب انہوں نے آنکھ کھولی تو جناب کیشب چندر نے ان سے کہا۔

محترم میں آپ کی اس اٹوٹ عقیدت بھری عبادت کی تعریف کرتا ہوں مگر آپ کا ایک گوبر اور مٹی (خاک) سے بنی ہوئی اس مورتی (بُت) کے سامنے بیٹھ کر بار بار ماں کر کے بچوں کی

طرح رونا دھونا میری سمجھ کے باہر ہے۔ آپ جیسے اعلیٰ پیر کے لئے یہ مجھے مناسب نظر نہیں آتا۔ اس پر عالیجناب رام کرشن صاحب نے فرمایا" کہ آپ جانتے ہیں، انسان وہی دیکھتا ہے جو اس کے دماغ میں لبالب بھرا ہوتا ہے۔ اگر وہ اللہ کے خیال میں ڈوبا ہوا ہے تو اُسے چاروں طرف اللہ ہی اللہ دکھائی دے گا۔ مگر اگر اُس کے دماغ میں گوبر اور مٹی (خاک) بھری ہوئی ہے تو اسے اصلی ماں میں بھی وہی چیزیں دکھائی دیں گی۔" یہ سن کر جناب کیشب چندر بہت ہی شرمندہ ہوئے اور انہوں نے اُن سے یعنی اعلیٰ پیر رام کرشن سے معافی مانگی۔ عالیجناب پرم ہنس رام کرشن نے ایک دم صحیح کہا تھا۔ وہ شخص جن کے دل و دماغ میں پتھر ہی بھرا ہے۔ مورتی (بت) میں بھی پتھر ہی دیکھتے ہیں نہ کہ اس پروردگار کی اعلیٰ صفت کو جس کی علامت یہ مورتی (بت) ہے اس لئے ایک سچا شاستنی (مذہبی) بت کو بت مان کر کبھی بھی اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ اس میں اس عالم گیر قدیر اللہ کا ہی نور دیکھ کر پورے اعتقاد کے ساتھ عبادت کرتا ہے اور اس اللہ (خدا) پر ہی اپنا دھیان جماتا ہے ایک قومی جھنڈا کسی ملک کی ایک علامت (نشانی) مانی جاتی ہے۔ اک کراس (Cross) عیسائیوں کو یاد دلانے کے لئے بھی ایک علامت ہے کہ کیسے جیشس (Jesus) نے حق پرستی پر اپنی زندگی کی قربانی دی۔ میرے پیارے دوستو! خیال رہے کہ اندرونی دلی خیالات سے بڑھ کر کوئی بھی چیز مقدم (قابل لحاظ) نہیں ہے۔ کسی انسان کے اندرونی جذبات زیادہ وزنی ہیں بہ نسبت بیرونی و خارجی جذبات سے۔

ہندوؤں کے ذریعہ جو بت پرستی کی عبادت ہے اُس پر مسلمانوں کو بڑا گہرا اعتراض ہے۔ ہندوؤں میں ماضی میں بت پرستی کی پرستش کا رواج نہیں تھا۔ یہ پہلی صدی کے آغاز میں جب عرب کے سیرین عیسائیوں نے سیریا میں پریشان کئے جانے پر ہندوستان میں پناہ لی تو وہ اپنے ساتھ ساتھ اس ملک میں مورتی پوجا (بت پرستی) بھی لے آئے۔

کچھ ہندوستانیوں کے ان کے تعلق اور اثر میں آنے کے باعث یہاں پر بت پرستی کا رواج جاری ہوگیا اس کے باوجود ہندوستان میں ایسے کروڑوں ہندوستانی ہیں جنہیں اس نام نہاد بت پرستی میں کوئی اعتقاد نہیں ہے۔

آپ کو یہ بتلانا کافی ہوگا کہ شروع میں انسان اپنی اہل بصیرت (الہامی) اور وہمی (خیالی) رنگین تصویروں سے سبق حاصل کرتے تھے، محض یہ سوچ کر کہ وہ کبھی اپنے اصولوں سے بھٹک نہ جائیں۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان تصویروں کی جگہ مورتیوں نے لے لی کیونکہ آپ تو

جانتے ہی ہیں کہ پتھر کی مورتی یا کاغذ یا کپڑے پر بنی ہوئی تصویروں کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط اور پائیدار ہوتی ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ انہوں نے نہایت ہی تعظیم کے ساتھ بت پرستی کی عبادت شروع کردی۔ اسے بت پرستی کا نام دیا جاسکتا ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مورتی (بت) کا استعمال دھیان (استغراق) کو ہم مرکزی کرنے کے لئے بہت سارے ذریعوں میں سے ایک ہے۔ کسی شخص کی صورت کو دیکھ کر دیکھنے والے کا دماغ اُس کے چال چلن اور اس کی طرز زندگی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ دماغ اِدھر اُدھر بھٹکنے کی اپنی عادت کو چھوڑنا شروع کردیتا ہے۔ بچہ پہلے تختی پر لکھنا سیکھتا ہے اور لکھنے کی پوری مہارت ہوجانے کے بعد وہ کہیں بھی لکھ سکتا ہے۔ اسی طرح کچھ مشق میں لگاتار لگے ہوئے لوگ، خاص طور پر جس پر اُن کی عقیدت ہے، اس کی تصویر پر اپنی آنکھ جما کر ایک مرکز پر لانے کا ابھیاس (مشق) کرتے ہیں۔ جب ان کا مشق پکا ہوجاتا ہے۔ تو وہ اپنے خیال کے ذریعہ سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ اس حالت میں آکر ایسا بشر اپنے خیال کو ایک مرکز پر لاکر جس چیز کا دیدار کرنا چاہے کرسکتا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ایک مورتی (صورت) کے ذریعے سے ہی دل کے جماؤ کو ایک مرکز پر لایا جاسکتا ہے۔ اِس طرح کی مشق کے اور بھی کئی دیگر راستے ہوسکتے ہیں۔ اور ہمیں بھی! اللہ جیسا کہ سب جانتے ہیں، سب جگہ موجود ہے۔ یہاں تک کہ کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں بھی موجود ہے۔ مگر جو انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ محض بت پرستی تک کی ہی حد میں ہے، تو وہ انسان کہیں کا بھی نہیں ہوتا۔ ایسی تنگ دست خیالات نے ہندو مذہب کو کبھی بھی منظوری نہیں دی ہے۔ اور وہ ہندو مذہب (دین) جو ہمیشہ اللہ کو قدیر اور عالم گیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اسی کو قائم بالذات تصور کرتا ہے۔

سوال: دوسری بات جو پریشان کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہندو ذاتی گائے کی عبادت کیوں کرتی ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ ''ہندو'' اللہ کے علاوہ کسی کی بھی پرستش نہ کریں۔

جواب: ہندوؤں کے مطابق اور مسلمانوں کے نقطہ نظر سے بھی اللہ عالم گیر ہے، وہ حاضر وناظر ہر جگہ موجود ہے۔ آپ کا قرآن شریف بھی کہتا ہے کہ اللہ آپ کے دل کی دھڑکن سے بھی زیادہ آپ کے قریب ہے۔ اس کے مطابق تو یہ ہوا کہ اللہ گائے کے بھی ہر ایک حصہ میں موجود ہے، اس وجہ سے اگر ہندو لوگ [illegible] نظریہ اپناتے ہوئے گائے کی پوجا (عبادت) کرتے ہیں تو اس میں کوئی

گناہ نہیں ہے۔ یہ اس نظریہ کا ایک پہلو ہے۔ایک فارسی کا شاعر فرماتا ہے:

لیلا را بہ چشم مجنوں واند دید

لیلا (معشوق) کو مجنوں (عاشق) کی نظر سے دیکھو۔

اس کا صرف یہی مطلب ہوا کہ اگر کسی ہندو سے تعلق رکھنے والے مسئلہ کو سمجھنا چاہتے ہو تو اسے ہندو کے نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وہ اللہ کے عالم گیر ہونے پر یقین کرتے ہیں اور اُسی کے قائم بالذات ہونے پر زور دیتے ہیں اور اس طرح وہ اس کائنات کے ذرّے ذرّے میں اللہ کا ہی نور محسوس کر کے اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ایک اُردو کے شاعر کی بات کہی ہوئی یہاں پر دہرائی جاتی ہے۔

جہاں دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

میں جدھر دیکھتا ہوں۔اُدھر تو ہی تو دکھائی دیتا ہے۔

اللہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، لامحدود ہے۔ اُسے اپنی محدود عقل سے حد میں نہ باندھیں کیا، آپ اللہ کے آگے بھی کسی اور چیز کا قیاس (تصور) کر سکتے ہو؟ گیتا میں کہا گیا ہے۔

"آپ کا سب کے ساتھ برادرانہ سلوک ہونا چاہئے چاہے وہ ایک براہمن، ایک گائے، ایک ہاتھی، ایک دشمن، ایک کتا یا کتے کو کھانے والا ہی کیوں نہ ہو۔"

آپ کو دل سے سب سے محبت کرنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ ہر جگہ موجود ہے صرف وہی انسان عالم ہے جو سب میں اللہ کی موجودگی کا احساس کرتا ہے اور سب میں خدا کا نور دیکھتا ہوا محبت کرتا ہے اور سب سے یکتائی (وحدت) رکھتا ہے۔میرے پیارے عزیز دوستوں اس دارِ فانی میں تمام علم بیکار ہے اگر انسان اس کائنات کے ذرّے ذرّے میں ہر جگہ پر اپنے اللہ کا دیدار محسوس نہیں کرتا ایک دوسرا فارسی کا شاعر کہتا ہے۔

میرا دل خدا کے خیالات میں اس قدر مستغرق ہے کہ اس میں خودی یا دیگر دوسری کسی بات کی کوئی خالی جگہ باقی نہیں ہے۔

اس نقطہ نظر سے ایک ہندو نہ صرف گائے کی بلکہ کسی بھی چیز کی عبادت کر سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ ہر ایک چیز میں ہے اور ہر ایک چیز اللہ میں ہے۔

برائے مہربانی ہندو فلسفہ کو ہندوؤں کی نگاہ سے دیکھیں۔ تبھی آپ اسے سمجھ پائیں گے۔

اس نظریہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ اگر آپ کسی کی بہت زیادہ قدر کرتے ہیں یا اسے بہت زیادہ عزت بخشتے ہیں، تو یہ بھی ایک عبادت ہے۔ اِس نظریہ سے ایک عام ہندو کے دل میں گائے کے لئے ایک بڑی قدر دانی تمنا ہوتی ہے۔ کیونکہ گائے نے کو ہندوؤں کی گھریلو زندگی میں خود کو بڑا ہی کار آمد ثابت کیا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان ایک زراعت پیشہ ملک ہے۔ ہماری آبادی کی ۹۰ فیصد سے زیادہ لوگ کاشتکاری کے ذریعہ سے ہی اپنی روزی کماتے ہیں۔ گائے بچھڑوں کو جنم دیتی ہیں جو گائے یا بیل کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں یہ بیل بڑے ہو کر دہاتی رقبہ میں کاشتکاری میں مدد دیتے ہیں کیونکہ بیل ہی صرف زراعت یا کھیتی باڑی کا ایک واحد ذریعہ ہے۔ ان بیلوں کا استعمال دوسری جگہ، جیسے کوئیں سے پانی کھینچنا جو کھیت جوتنے کے لئے ہوتا ہے، بھی کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے بڑے بڑے حوض کا استعمال ہوتا ہے جو انہیں کے چمڑے سے بنتا ہے۔ گائے کے چمڑے کا استعمال بہت جگہ کیا جاتا ہے جیسے جوتے بنانے کے لئے اور ہماری روزمرہ کی زندگی میں کام آنے والی دوسری ضروری چیزیں بنانے کے لئے۔ اس کی سینگ کنگھی بنانے کے کام آتی ہے۔ گائے کے خور کا پاوڈر (چورن) کو کھاد کی شکل میں استعمال کیا جاتا ہے۔ گوموتر یعنی گائے کا پیشاب ویدوں اور حکیموں کے ذریعے طرح طرح کی بیماریوں کو ٹھیک کرنے کے لئے تمام طرح کی دوائیں بنانے کے کام آتا ہے۔ اُس کی ہڈی کا کوئلہ، سکر کو سفید بنانے کام آتا ہے۔ اُس کی ہڈی کا استعمال سریس (ایک طرح کا گوند جو لکڑی کی میز کرسی کے جوڑوں میں لگا کر جوڑا جاتا ہے) بنانے کے لئے بھی کیا جاتا ہے۔ اُس کے گوبر کے کھاد کا استعمال مٹی کی اندرونی طاقت بڑھانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے دیہاتی لوگ گائے کے گوبر کو سکھا کر ایندھن کے کام میں لگاتے ہیں۔ گائے کا گوبر سب بیماریوں کو دور کرتا ہے کیونکہ یہ سٹرن روک دوا ہے۔ آخر کار اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ گائے کے جسم کا ہر ایک حصہ سب لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے اور گائے کسی بھی دوسرے جانور کے مقابلے میں زیادہ کار آمد اور مفید ہے۔

اس کے علاوہ گائیں ہمیں میٹھے دودھ کی شکل میں صحت بخش خوراک بھی مہیا کرتی ہے۔ گائیوں کا دودھ ماں کے دودھ کے برابر ہوتا ہے۔ اس لئے بچے اسے بآسانی پچا سکتے ہیں۔ پتا نہیں آپ کو معلوم ہے یا نہیں، رام کی ماں کا دیہانت ہو گیا تھا جب وہ ایک ننھا سا بچہ تھا۔ اس لئے رام کی

پرورش گائے کے دودھ کے ہی ذریعہ کی گئی تھی۔ اس لئے انہیں گائے کے دودھ کے کارآمد ہونے کا تجربہ ہے۔ گائے کا دودھ صحت بخش ہی نہیں ہے بلکہ یہ دماغ کو بھی ٹھنڈا رکھتا ہے، دل کی پاکیزگی قائم کرتا ہے اور دماغ کو ایک مرکز پر لانے کی طاقت بھی دیتا ہے۔ آج بھی رام دوسری خوراک کی بجائے گائے کے دودھ کو ہی زیادہ اہمیت دیتا ہے اور زیادہ تر اُسی کا استعمال کرتا ہے۔ چونکہ ہم لوگ گائے کا دودھ پیتے ہیں۔ اس لئے ہم اُس کا ماں کی طرح احترام بھی کرتے ہیں۔

ہندوستانیوں کے گھریلو زندگی میں گائے ایک بہت ہی کارآمد جانور ہے۔ ہم لوگوں (ہندوؤں) کے دل میں گائے کے لئے اتنی عزت وعقیدت اور محبت اس لئے ہے کیونکہ ہم اس سے بے حد فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے ہم محبت اور عقیدت کے ساتھ تہہ دل سے اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ گوشت خور ہندو بھی گائے کے گوشت سے پرہیز کرتے ہیں اور گائے کا گوشت کسی بھی حالت میں نہیں کھاتے۔ کیونکہ گائے کے لئے ان کے دل کے اندر بڑی عزت اور عقیدت ہے۔ وہ اُس کی حفاظت کرنا اپنا سب سے اولین فرض سمجھتے ہیں۔ سچ مچ، گائے ہندوستانی زمیندار (کاشتکار) کی دولت ہے۔ وہی اس کی جائیداد، دھن دولت وغیرہ وغیرہ سب کچھ ہے۔ حقیقت میں اُس کی زندگی کا دارومدار گائے پر ہی منحصر ہے۔

ہندوستانی، جن میں مسلم لوگ بھی شامل ہیں، ان کی دیہاتی روزمرہ کی زندگی میں دھن دولت کمانے کے لئے گائے ایک اعلیٰ اہمیت رکھتی ہے، آج بھی ہندوستان کے دیہاتی علاقہ میں مسلمان زمیندار گائے کا گوشت نہیں کھاتے ہیں۔ اس لئے کاشتکار طبقہ اپنا اوّلین فرض سمجھ کر گائیوں کی ہر طرح سے حفاظت کرتا رہا ہے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندو طبقہ گائیوں کی عبادت (پرستش) اس لئے کرتا ہے کیونکہ اس کے دل میں گائے کے لئے عزت اور عقیدت ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ گائے اُس کی گھریلو زندگی میں از حد فائدہ مند اور دھن دولت میں اضافہ کرنے والی ہے۔ مگر گائے کے لئے اتنی تعظیم اور عقیدت کے پیچھے کسی طرح کا مذہبی یا سیاسی ارادہ نہیں ہے۔ گائے کے لئے اتنا احترام اس لئے ہے کہ اس نے ہماری روزمرہ کی زندگی میں ایک خاص جگہ قائم کی ہے۔

سوال: ہندو لوگ گائے کو اپنی ماتا کہہ کر پکارتے ہیں! کیسے اور کیوں؟

جواب: سوامی رام اِس سوال پر کھل کر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں اس سوال کا جواب پہلے ہی دیا جاچکا ہے! ہندو طبقہ گائے کو اپنی ماں کہہ کر مخاطب کرتا ہے اس لئے وہ اس کا دودھ پیتا ہے! اس لئے

وہ اُسے ماں جیسی الفت دیتا ہے، جیسے وہ اس کی اپنی ماں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو لوگ گائے کو "گئو ماتا" کہہ کر پکارتے ہیں۔

کیا آپ اس عورت کے لئے زیادہ احترام و تعظیم ظاہر نہیں کرتے ہیں جو آپ کو اپنی چھاتی کا دودھ پلاتی ہے۔ چاہے وہ آپ کی آیا ہی کیوں نا ہو۔

یہاں پر رام آپ کو عظیم مسلم بادشاہ اکبر کی ناگہانی واقعہ کا بیان کرتا ہے۔ اکبر کے دربار میں "کوکا" نام کا ایک باعزت انسان تھا۔ اس نے کئی دفعہ بادشاہ کے خلاف بغاوت کی لیکن عظیم الشان اکبر نے ہر دفعہ اُسے معاف کردیا۔ جب اُن کے خیر خواہ صلاح کاروں نے اِس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ انہوں نے اور "کوکا" نے ایک ہی راجپوت عورت کی چھاتی کا دودھ پیا تھا۔ یہ اُسی دودھ کی کرامات تھی جو انہیں "کوکا" کے خلاف کوئی بڑی کارروائی کرنے سے روک رہی تھی۔ حیرت انگیز!

اگرچہ اکبر ایک مسلمان بادشاہ تھا، پھر بھی اس نے اپنی راجپوت ہندو آیا کو اپنی ماں کا درجہ دیا اور ایک اماں کو جو تعظیم ملنی چاہئے وہ بخشی، اسی طرح وہ کبھی بھی گائے کے گوشت کا استعمال نہیں کرتا تھا، کیونکہ وہ گائے کا دودھ پیتا تھا۔ رام کو تعجب ہوتا ہے کہ پھر آپ لوگوں کو ہندوؤں کے ذریعہ گائے کو اماں کہے جانے پر اور اُس کا احترام کرنے پر کیوں اعتراض ہوتا ہے۔

یہ خود صاف ظاہر ہے کہ گائے کی تعظیم اِس لئے کی جاتی ہے کیونکہ ہندوستانی سماج اور ہندوستانی کفایت سعاری میں اس کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے وہ اپنی روزی روٹی کماتا ہے اور اس کا دارومدار گائے پر ہی ہے۔ آپ کو بھی اُس کی قدر کرنی چاہئے اور اُسے احترام اور عزت دینی چاہئے اللہ کا شکر کیجئے کہ اس نے آپ کے ملک میں انسانی طبقہ کی بھلائی کے لئے ایسے کارآمد جانور کی تخلیق کی ہے۔ گائے کو درحقیقت ماں کا احترام پانے کا حق ہے۔

سوال :عالیجناب سوامی جی! ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ اللہ بہشت سے اوتار کی شکل میں ہم آہنگی، مطابقت اور امن چین قائم کرنے کے لئے اِس زمین پر آتا ہے کیا یہ سچ نہیں ہے؟

جواب :ہندو اللہ کو صرف بہشت تک ہی محدود رہنا منظور نہیں کرتے "وہ" عالم گیر ہے۔ یہ ماننا سراسر غلط ہے کہ اللہ صرف بہشت سے ہی اوتار لیتا ہے۔

اوتار لفظ کا مطلب ہے۔ اوپر سے نیچے کی طرف اترنا۔ صرف اُس شخص کو ہی اوتار کہا جا سکتا ہے

جس پر اللہ کی مہربانی نازل ہوتی ہے اور جو شخص دوسروں کے مقابلہ میں منسوب ہونے کے لائق ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی غیبی طاقت ہے اور اُسی کی قدرت ہے جو اوتار کی شکل اختیار کر کے آتا ہے۔

ایسا شخص خود کو درجہ بدرجہ ترقی دیتا ہے اور اپنی ظاہری، باطنی، اور روحانی طاقتوں کو وسیع کرتا ہے جیسے فراخ دلی، دانشمندی، روحانی علم، رحم دلی، راستی، ضبط، تحمل سلامتی طبع، صداقت، استقلال، ریاضت اور سلامت روی، سب سے محبت، حق راستی پر چلنا اور دور اندیشی، لوگ ایسے شخص کو اس کی ایسی اعلیٰ شخصیت، قائم العقل، نیک چال چلن اور تاب وطاقت کے مطابق ایسے شخص کو اوتار قبول کرتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب شدید گرمی ہوتی ہے تو سب کو آرام پہنچانے کے لئے بعد میں بارش ہوتی ہے اِسی طرح قدرت کے منصوبہ کے مطابق اوتار اس زمین پر ایک خاص خطہ میں جنم لیتے ہیں، جب اُس خطہ میں ان کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہ قدرت کا اٹل قانون ہے۔

سوال: کیا آپ ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اوتار کہہ سکتے ہیں؟

جواب: ہاں! وہ ایک اوتار ہیں۔ ان کی عرب دیش میں سب سے زیادہ ضرورت تھی اس لئے ان کی پیدائش اس خطے میں ہوئی۔ اس زمانہ میں عرب دیش کے لوگوں کے خیالات قدیم انسانوں کے مطابق تھے۔ اور وہ تمام جاہل تھے۔ عربی لوگ آپسی میل جول اور یکدل نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ، الگ رہتے تھے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جنہوں نے مستحکم ارادہ اور ایمان باللہ کے ہوتے عربی لوگوں میں وحدت اور وحدانیت کا عقیدہ جگایا اور ان کو ایک مضبوط قوم میں تبدیل کر دیا۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان کارنامہ تھا۔

سوال: ہندو فرقہ ایک مچھلی، کچھوا اور ایک سوور کو بھی کیوں اوتار مان لیتا ہے؟ اس کا فلسفیانہ مطلب کیا ہے؟

جواب: اس زمین کی تاریخ جو حقیقت میں تدریجی ترقی کی تاریخ ہے۔ اس کے بارے میں ہندوؤں کے قدیم واقعات کی تشریح کرتا ہے۔

ہندوؤں کی کتابیں (گرنتھ) کہتی ہیں کہ یہ زمین آفتاب (سورج) کی دختر ہے۔ اس کا صرف یہی مطلب ہوا کہ یہ زمین سورج کا ہی ایک حصہ ہے جو اربوں سال پہلے تردید وا تلاف ہو کر سورج سے الگ ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ موجودہ سائنس (وگیان) نے بھی ہندوؤں کے گرنتھوں کے

ایسا کہنے پر اپنی اتفاق رائے پیش کی ہے۔ جب یہ زمین سورج سے الگ ہوئی، تب یہ ایک جلتا ہوا آگ کا گولا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ ٹھنڈا ہوتا گیا اور سکڑتا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ جگہوں پر گہرے گہرے گڈھے ہو گئے اور دوسری جگہوں پر اونچی، اونچی چوٹیوں والے بڑے بڑے پہاڑ اُبھر آئے۔ لاکھوں، کروڑوں سالوں کے بعد بارش کے پانی اور پہاڑوں سے نکلی دریاؤں کے پانی سے یہ گڈھے بھر گئے اور انہوں نے سمندر کی شکل اختیار کر لی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اربوں سال پہلے اس زمین کا زیادہ تر حصہ آب ہی آب تھا۔ سب سے زیادہ چلنے والا جانور جو اس پانی میں تیرتا تھا۔ وہ مچھلی کی شکل میں تھا۔ اس لئے ابتدائی پیدائش خلقت کے وقت مچھلی کو سب سے زیادہ متحرک جاندار ہونے کی وجہ سے اس زمین پر اوتار تصوّر کر لیا گیا۔

جب زمین پر پھیلا ہوا پانی آہستہ آہستہ سوکھنے لگا تب دوسرا جانور (جیو) جو ظاہر ہوا، وہ کچھوا تھا۔ وہ جانور پانی میں اور سوکھی زمین میں دونوں پر رہ سکتا تھا۔ مچھلی صرف پانی میں ہی رہ سکتی ہے باہر باد (ہوا) میں یہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب کہ کچھوا پانی اور سوکھی زمین دونوں پر رہ سکتا ہے۔ یہ پانی میں تیر سکتا ہے اور زمین پر چل سکتا ہے چاہے وہ آہستہ آہستہ رفتار سے کیوں نہ چلے۔ اسی وجہ سے مچھلی کی برابری میں کچھوے کو زیادہ ترقی یافتہ جانور مانا گیا ہے اور اِسے دوسرے اوتار کا خطاب دیا گیا ہے۔

اس کے بعد زمین اور زیادہ سوکھی تو دلدل نیچے دھنسنے والی زمین کی شکل سامنے آئی، جس میں کیچڑ، گارہ وغیرہ کی زیادتی تھی۔ گھنے جنگل وجود میں آنے لگے۔ اب تک دوسرا جیو، سوور بھی جنم لے چکا تھا جو نہ صرف پانی میں تیر سکتا تھا اور دلدلی زمین پر رہ سکتا تھا۔ بلکہ اس زمین پر جنگلوں میں بھی بڑی تیزی سے دوڑ سکتا تھا۔ ترقی کے اس دور میں سوور اپنے وقت کا سب سے ترقی یافتہ جانور (جیو) تھا، اس لئے سوور کو بھی اوتار کا خطاب دیا گیا اور اس کو اوتار مانا گیا۔ اس طرح ترقی کا پہیہ آگے اور آگے بڑھتا گیا۔ اوتار کا فلسفہ واصول ترقی کے اصولوں پر قائم ہے۔

اس طرح اس وقت کی ضرورت کے مطابق اس زمین پر وقتاً فوقتاً بہت سے اوتار آئے، سوور کے بعد جو خاص خاص اوتار ہوئے ہیں وہ ہیں، نرسنگھ، وامن، پرسورام، رام، کرشن اور بدھ۔ یہ سبھی عظیم الشان ہیں جنہیں اوتار کہا گیا ہے۔ بے تعلق اور بے لگاؤ ہوتے ہوئے بھی وہ انسانی ترقی

کے راستے میں لا ابدی اور ضروری کڑی تھے۔ ان کی ایک خاص اہمیت و مقصد تھا جس کو عمل میں لانے کے لئے قدرت انہیں اس دُنیا میں بھیجا تھا۔ مستقبل میں بھی وقت کی ضرورت کے مطابق اس دنیا میں اوتار لگاتار آتے رہیں گے۔ اوتار کا اصول جدید سائنس کے لاکلام خاص نتیجہ، جس پر حجت نہ وارد ہو سکے، اس پر قائم ہے۔ ہندو فلسفہ کے مطابق 'ایک اوتار اسی اوتار لیتا ہے جس میں عقل ارادی ہو، سارے صفات ہوں اور اللہ کی کائنات میں وقت کی مانگ پوری کرنے کے لئے اس میں ہر طرح کی طاقت موجود ہو، دوسرے الفاظ میں، ایک اوتار اس خاص خطہ میں ظاہر ہو کر آتا ہے۔ اور نیک و بد میں تمیز کر کے ہر بشر کو قطعی راہ عمل بتاتا ہے۔ عظیم الشان پیر جناب کبیر صاحب نے بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ چند الفاظ میں اوتار کے اس اصول کو بیان کیا ہے:

گھٹ گھٹ میرا سائیاں سونا گھٹ نہیں کوئے
بلہاری وا گھٹ کی جا گھٹ پرگٹ ہوئے

"اگر چہ میرا اللہ ہر جگہ موجود ہے اور ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جہاں "وہ" نہیں ہے تاہم میں صرف اس گھٹ (نام روپ) شخص کی عبادت کرتا ہوں، جس میں اُس نے خود کو صاف طرح سے پرگٹ کیا ہے۔"

اس لئے جس شخص میں جتنا ہی زیادہ اللہ کا نور موجود ہے۔ اس کے ذریعے سے اُس کا وجود بھی بے انتہا ہوتا ہے۔ اور وہ اتنا ہی بڑا اوتار مانا جائے گا۔ مسلم لوگ ایسے شخص کو اولیاء پیر یا پیغمبر کہتے ہیں لیکن ایک ہندو ایسے شخص کو اوتار کہتا ہے۔ مختصر میں یہ ایک اوتار کا اصول ہے (قاعدہ ہے)

سوال: اوتار کے بارے میں ہمارا شک دور کرنے کے لئے ہم آپ کے مشکور ہیں، ہم لوگ اب آپ سے آواگون یعنی تناسخ کے اصول پر روشنی ڈالنے کی گزارش کریں گے کیا آپ کو بھی اس اصول کے بارے میں بھروسہ ہے۔

جواب: آواگون کا اصول ہر بشر کے اپنے اعمال پر منحصر ہے یہ محض یقین کا معاملہ نہیں ہے، لیکن اسے پھر بھی منطق یا علم مناظرہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ رام نے پہلے ہی آپ سے کہا ہے کہ انسان اس ترقی کے موجودہ اونچائی پر اچانک نہیں پہنچ گیا ہے۔ آج وہ یہاں پر متواتر ترقی کی اس منزل پر پہنچا ہے جسے سائنس داں نظریۂ ارتقاء کا نام دیتے ہیں۔ یہ اصول گہرے تجربات پر منحصر ہے اور ڈاروِن (Darwin) کے ذریعے ۱۹ اویں صدی میں اسے پوری طرح سے ثابت کیا جا چکا ہے،

مگر ہندو غیب داں اہل بصیرت اشخاص نے اس قدرت کے قانون کو ہزاروں سال پہلے سمجھ لیا تھا۔ ہندوؤں کے بہت پرانی مقدس کتب میں بھی اس قانون کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس نظریہ ارتقاء کے مطابق لطیف جیو آتما یا آتما لگاتار حیوانی جون سے گزرتے ہوئے آخر کار ترقی کرتے کرتے انسانی جونی کو حاصل کرتا ہے۔ موجودہ سائنٹفک طریقہ اور تجربات کے ذریعہ اسے ثابت کیا گیا ہے۔ انسانی جون کے نیچے حیوانی جون تک یہ وکاس (ترقی) آپ ہی آپ قدرتی طور پر چلتا رہتا ہے۔ حیوانوں میں عقل حیوانی، نفس ہوتی ہے جب کہ انسان میں استدلال ذی عقل ہے یعنی اُسے حق و باطل کی تمیز ہے دوسرے الفاظ میں انسان اپنے اندر اچھے بُرے کی تمیز کو جاننے اور سوچنے کی قابلیت رکھتا ہے اور وہ اپنی قوت کو چاہے کسی طرف بڑھا سکتا ہے اس لئے وہ اپنی عقل کے مطابق کام کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ اس کی اپنی سمجھ کہتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے اعمال کے لئے خود ہی ذمہ دار ہے۔

اس نقطۂ نظر سے کرم کا اصول لاگو ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے یعنی جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ یہ قانون بے تبدیل، بے خطا اور یقینی ہے۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی اس بات کو یقیناً مانتے ہیں، کسی کو بھی اس قدرتی قانون کو نہ تو باخوشی منظور کرنے میں ہچکچانا چاہئے اور نہ ہی اسے نامنظور کرنا چاہئے۔ یہ قدرت کا قانون بالکل صاف اور ثابت شدہ ہے۔ ہم اپنے اچھے اور برے کرموں، (اعمال) کے ذریعے ہی اپنی زندگی میں دُکھ، سکھ محسوس کرتے ہیں، اسی قانون کے مطابق انسان کا عروج و زوال ہوتا ہے اور اسی کے مطابق اپنی قسمت بناتا یا بگاڑتا ہے۔ اگر انسان کے اعمال نیک ہیں تو اسے انعام دیا جائے گا اور اسے اپنے آپ کو اور بلندی پر اٹھانے کا موقع حاصل ہوگا اگر اس کے اعمال بد ہیں، یعنی قدرت کے قانون کے مطابق نہیں ہیں، تو اس کو لازمی طور پر سزا دی جائے گی، وہ اس سے بچ نہیں سکتا، ان سب کے باوجود قدرت اُسے نیک اعمال کرنے کے لئے لگاتار موقع دیتی رہتی ہے۔ جس سے وہ اپنے اندر سدھار لا سکے اور لگاتار ترقی کرتا رہے۔

انسان، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کے لئے آزاد ہے، لیکن وہ اپنے گزشتہ (ماضی) اعمال کا بھوگ بھوگنے کے لئے پابند ہے۔ جب تک وہ اپنا ہاتھ آگ میں نہیں ڈالے گا، تب تک وہ محفوظ رہے گا جب تک آپ قرض کے کاغذات پر دستخط نہیں کرتے ہیں، آپ پر

واپسی کے بھگتان کا کوئی دعویٰ نہیں بنتا۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ اگر ایسے کسی کاغذ پر دستخط کر دیتے ہیں تو آپ واپسی کے لئے پابند ہو جاتے ہیں، اگر آپ نے جلاب لی ہے تو آپ کو بار بار پاخانہ جانے کے لئے مجبور ہونا پڑے گا۔ آپ اس سے بچ نہیں سکتے۔

ان سب کا مطلب صرف یہی ہے کہ آپ کوئی بھی کام کرنے یا نہ کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ لیکن اگر آپ نے ایک دفعہ کوئی کام کر دیا تو آپ اُس کے نیک یا بد نتائج سے بچ نہیں سکتے۔ یہاں کسی بھی دلیل سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ کو اپنے اعمال کا نتیجہ بہت جلدی یا بعد میں بھوگنا ہی پڑے گا۔ کچھ دوائیاں ہیں جو بہت جلدی اپنا اثر دکھاتی ہیں، جب کہ کچھ دوائیاں اپنا اثر کچھ وقت گزرنے پر دکھلاتی ہیں۔ کچھ دوسری دوائیوں کا اثر تو چند دنوں اور کچھ ہفتہ کے بعد ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ اس طرح ہمارے ذریعے کئے ہوئے کچھ اعمال ایسے ہیں، جن کا ہمیں فوراً انعام ملتا ہے، جب کہ کچھ دوسرے اعمال ایسے ہیں جن کا انعام نیک یا بد بعد میں ملتا ہے یہی قدرت کا اٹل قانون ہے۔

اللہ صرف عدل پرور ہی نہیں ہے، بلکہ "وہ" مہربان اور رحم دل بھی ہے۔ "وہ" بار بار بھولے بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کا موقع میسر (مہیا) کرتا رہتا ہے جس سے وہ ترقی کے راستہ پر لگاتار بڑھتے رہیں۔ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے انہیں ہرگز نہیں روکنا چاہئے۔ یہی وہ اصول ہیں جن پر گزشتہ زندگی کا مسئلہ منحصر ہے۔ وہ شخص جو گزشتہ زندگی کے اصول کو نہیں مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ پر بے رحم اور ظاہر ہونے کا الزام لگاتے ہیں، وہ اس طرح کائنات کے اس سب سے اونچے اور اہم قانون کو خارج کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اس عالم میں الگ الگ لوگوں کے خیالات ایک دوسرے سے بالکل مخالف ہیں۔ لوگوں میں اتنی غیر مشابہت، تفاوت اور نا اتفاقی کیوں ہے، جس کی وجہ سے نامناسب اور ناموزوں خصلت پیدا ہو۔ کیا آپ نے اس مسئلہ پر اپنی رائے قائم کی ہے؟ کچھ لوگ تنگ دل ہوتے ہیں، تو کچھ لوگوں کے خیالات بہت بڑے اور کشادہ و دُور اندیش ہوتے ہیں، کچھ بہت لالچی ہوتے ہیں تو کچھ لوگ بڑے کریم اور رحم دل ہوتے ہیں۔ کچھ فرشتہ ہوتے ہیں، تو کچھ شیطان کی شکل اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ اشخاص کی زندگی بڑی غمگین ہوتی ہے تو کچھ انسانوں کو بڑی کامرانی اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے۔ کچھ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں تو کچھ بہت اچھے اور تندرستی کا مزا لیتے ہیں۔ آخر کار اتنا اختلاف، ناہمواری اور ناموافقت کیوں؟ اگر آپ اس پر سنجیدگی سے توجہ دیں تو آپ اس کے علاوہ اور کوئی حسب اطمینان (خاطر

خواہ) بیان نہیں کر سکتے کہ یہی سب انسانوں کے گزشتہ (ماضی) اعمال کا نتیجہ ہے۔
ایک شخص اس دنیا میں ستر، اسی یا سو سال تک زندہ رہ سکتا ہے، مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق موت کے بعد فیصلے کے دن تک وہ قبر میں لاکھوں، کروڑوں سال تک قید رہے گا اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے اللہ کے فیصلے کے مطابق اپنے ماضی کے اعمال کا بھوگ بھوگنے کے لئے جنت یا جہنم میں چلا جائے گا۔ اس طرح اسے نہ تو اپنے آپ کو راہ راست پر لانے کا اور نہ ہی اپنے آپ کو روحانیت میں ترقی کرنے کا موقع حاصل ہو سکے گا۔ ایسا ہی عیسائیوں اور مسلمانوں کا یقین مانا جاتا ہے۔ ستر یا سو سال دنیاوی زندگی بسر کرنے کے بعد اس کے بدلے میں اُس ناچیز انسان کو اللہ کے ذریعہ فیصلہ سنائے جانے تک قبر میں لاکھوں سالوں تک قید رہنا پڑے گا۔ اللہ ایسے بے انصافی اور ناہموار کاموں کو کیسے انجام دے سکتا ہے، جب کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بے حد عادل، رحم دل اور بے رو رعایت اور راست ہے۔
ایک بچہ ایک امیر گھرانے میں جنم لیتا ہے اور وہ بڑے آرام اور باخوشی اپنی زندگی گزارتا ہے۔ ایسا کیوں؟ خدا تعالیٰ اس بچے پر کیوں اتنا مہربان ہے کہ "وہ" اُسے زندگی بھر کا آرام اور ہر طرح کی سہولت دے دیتا ہے۔ اُس کے اس جنم کے پہلے سے رائے قائم کرنے کا اور اُس خداوند کی مہربانی کا کوئی تو باعث ہوگا۔ اس کا دوسرا پہلو بھی ہے، ایک بچہ ایک نہایت ہی غریب بھکاری کے گھر میں جنم لیتا ہے اور اُسے ترقی کرنے کا کوئی موقع میسر نہیں ہوتا ہے۔ وہ بھکاری کی شکل میں جنم لیتا ہے اور بھکاری کی ہی شکل میں مر جاتا ہے۔ اُسے اپنی تمام زندگی رنج و غم میں ہی گزارنی پڑتی ہے، ایسا کیوں؟ اس کی کیا غلطی ہے؟ اس نے ایسا کون سا گناہ کیا تھا کہ اسے جنم سے لے کر مرنے تک سزا بھگتنی پڑی۔ اللہ تعالیٰ بے رحم اور ظالم کیوں ہے؟ اس نے ایسا کیا کیا کہ اللہ کو اُس کے خلاف بے انصافی کرنی پڑی؟ یہ کیا اس عدل ہے؟ کیا یہی راستی ہے؟
انسان بہت صاحب فہم، عقلمند اور کارگر ہوتا ہے تب بھی وہ کہیں نوکری حاصل کرنے کے لئے ناکامیاب رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی روزی، روٹی کما سکنے میں اپنی ناکامی کے باعث خودکشی کرنے کا خیال بنا لیا ہے، کیونکہ وہ ایک غریب گھرانے سے ہے اور اس کے لئے سفارش کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ دوسری طرف ایک دوسرا آدمی ہے، جس کو ہر جگہ پر مبارکبادی دی جاتی ہے لوگ اس کا مرحبا، مرحبا کر کے استقبال کرتے ہیں، اگرچہ وہ احمق، کند دماغ اور بالکل بے کار ہے۔

کیوں؟ کیوں وہ اپنی قسمت میں ساری آرام طلب سہولتیں لے کر پیدا ہوا؟ کیا تمام خوشحالیاں اور خوش نصیبی پر اس کا ہی حق ہے؟ آخر کار اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہونی چاہئے۔

ایک بچہ بچپن سے ہی پھوڑا، بخار، دست اور دوسری طرح طرح کی دُکھ دینے والی بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے، کیوں؟ اُس نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے کہ اسے اس طرح کے سخت دکھ برداشت کرنے پڑتے ہیں اُسے اس طرح کا ڈنڈ ملا ہی کیوں؟ کچھ لوگوں کا خیال ہو سکتا ہے کہ ماں- باپ کی بیماری سے ہی بچے کو یہ بیماریاں لگی ہیں! مگر کیوں؟

کیوں اس بچے کو ایک ایسے گھرانے میں جنم لینے کے لئے مجبور ہونا پڑا، جہاں ماں، باپ بیمار اور روگی تھے؟ انہیں ماں باپ کے دوسرے بچے بھی ہوئے ہیں۔ انہوں نے کیوں نہیں اپنے ماں باپ سے بیماریاں حاصل کیں؟ یہ تمام چیزیں مل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ یہ صرف اتفاق یا مطابقت نہیں ہے۔ آخر کار اس کے پیچھے کوئی بڑی گہری وجہ ہے جو اس کی تائید کرتی ہے اور یہ تائید غیبی ہے۔ خدا کی مدد ہے۔

آیئے اب ایک دوسری مثال لیتے ہیں! ایک غریب باپ کے چار بیٹے ہیں وہ سب مفلسی کے شکار ہیں اور کسی نہ کسی طرح اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ اچانک ایک بیٹے کی دس لاکھ کی لاٹری لگ جاتی ہے وہ اپنے آپ کو اپنے بھائیوں اور ماں باپ سے الگ کر لیتا ہے وہ ہر طرح کے عیش و آرام کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ اللہ اس سے اتنا خوش کیوں ہو گیا کہ "اس نے" اسے بھکاری سے راجہ بنا دیا؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی یہی خواہش ہے یعنی یہی اللہ کی رضا ہے، انسان کو "اُس کی" رضا پر خوش ہونا چاہئے اور اس کی رضا کے آگے کسی بھی بشر کو سوال کرنے کا حق نہیں ہے "وہ" جو بھی چاہے کرنے کے لئے آزاد ہے! ہم ہوتے کون ہیں اُس سے سوال کرنے والے؟ آپ کے خیالات صحیح یا غلط ہو سکتے ہیں، لیکن اگر آپ ایسے اللہ پر حسب اطمینان اور پورا پورا اعتقاد رکھتے ہیں تو رام کو کچھ نہیں کہنا! لیکن ایک ذی عقل، سمجھدار اور شائستہ انسان اللہ کے اس خودمختاری اور بے آئینی برتاؤ کو منظور نہیں کرے گا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ عادل اور رحم دل ہونے کی بجائے جابر اور ظالم ہوا۔ کیا "وہ" اتنا بے عقل اور مطلق العنان ہے کہ "وہ" ایک کو راجہ اور دوسرے کو بھکاری بنا دے گا جس سے کہ وہ اپنے ساتھ رہنے والے انسانوں

کے ذریعہ ہی بے عزت اور ستایا جاتا رہے۔

پیارے دوستو! اللہ نہ تو ظالم وجابر ہے اور نہ ہی نا انصافی کرنے والا ہے، اس پورے کائنات کا چکر قدرت کے اٹل قانون پر چل رہا ہے اس لئے ہر ایک بشر کو اس کے اٹل قانون کے مطابق اپنے ماضی میں کیئے گئے اعمال کا بھوگ بھوگنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس قائدے کے مطابق اگر ایک شخص بیمار ہے اور دوسرا صحت یاب ہے، اگر ایک کو رنج وغم اندوہ حرمان کے ساتھ کانٹے بھرے سخت راستہ پر چلنا پڑتا ہے تو دوسرا دھن دولت، مال واسباب ہر طرح سے عیش وآرام کی زندگی گزارتا ہے، آپ رام سے رضامند ہوں گے کہ تمام جگت یعنی ساری دنیا حقیقت میں ایک نمائش تماشہ وعلت ومعلول کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے بغیر کسی وجہ کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ آپ کو ان وجوہات کی جانکاری ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہوسکتی ہے لیکن ان کا وجود ہے اور اگر آپ گہرائی سے خیال کریں تو کسی بھی واقع کے پیچھے ان وجوہات کو ڈھونڈھ سکتے ہو۔ یہی علت ومعلول کا قاعدہ ہے جو موت کے بعد دوسرے جنم کی جڑ میں ہے۔ اس لئے آپ کو اس قانون کو سمجھنا اور منظور کرنا ہوگا۔ یہ تشریح بہت سیدھی سادی ہے اور باقاعدہ منطق ہے۔ یہ انسانی زندگی کے الگ الگ پہلوؤں پر بھی لاگو ہے۔ یہ انسان کو یعنی اپنے آپ کو راہ راست پر لانے کے لئے بار بار موقع دیتی ہے۔ اور اس طرح یہ خود انسان کے حق میں ہے۔ یہ بینک اور دوسروں کی بھلائی کے کام کرنے کے لئے انسان کو ہمیت دیتی ہے، جس سے وہ مستقبل میں ایک اچھے گھرانے میں جنم لے اور نتیجہ کے طور پر اسے آگے کی ترقی میں مدد ملے گی۔

سوال :اگر انسان کا گزشتہ (ماضی) جنم جیسی کوئی چیز ہے تو اسے اپنے گزشتہ زندگی کے واقعات یاد رہنے چاہئیں لیکن جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں وہ گزشتہ جنم کی باتیں یاد رکھنے میں لاچار ہوتا ہے! کیوں؟

جواب :ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔ کچھ ایسے معاملے ہوئے ہیں، جب کچھ بچوں کو اپنی گزشتہ زندگی کے واقعات یاد تھے۔ جب ان کی اصلیت کی جانچ پڑتال کی گئی تو انہیں بالکل صحیح پایا گیا مگر سبھی اشخاص کے لئے نہ تو یہ ممکن ہے اور نہ ہی ضروری ہے کہ انہیں اپنی گزشتہ زندگی کی تمام واقعات یاد رہیں۔ آپ نے اس بات پر غور فرمایا ہوگا کہ بچے اکثر بھول جاتے ہیں کہ انہیں پچھلی رات سونے

کے وقت پینے کے لئے دودھ دیا گیا تھا۔ اپنی موجودہ زندگی میں بھی ہمیں ماضی کی تمام باتیں یاد نہیں رہتی۔ ہم اپنی اِس زندگی کی بہت ساری گھٹنائیں بھول جاتے ہیں۔ اس لئے یہ بہت مشکل ہے کہ ہمیں گزشتہ جنم کے واقعات یادرہیں، یہ ناممکن ہے۔

اصلیت میں پچھلے جنم کے واقعات کا یاد نہ رہنا ہی ہمارے حق میں ہے۔ اگر ہمیں وہ واقعات یاد رہتے تو ہم اپنے پچھلے جنم کے بُرے اعمال بُرے تعلق اور اپنی خراب حرکتوں کو یاد کر کے دُکھ پاتے۔ اگر ہمارے گزشتہ جنم کے دشمن ہماری یادداشت میں بنے رہتے تو ان کی دشمنی اور ان کے ذریعے کئے گئے ظلم وستم ہم کو دُکھوں میں ڈال دیتے۔ اس سے ہمارا موجودہ جیون (زندگی) بہت ہی رنجیدہ ہو جاتا۔ ہم اِس زندگی میں بھی بدلا لینے کی کوشش کرتے۔ ایسے سبھی پر جوش جذبات ہماری ترقی میں ضرور رکاوٹ ڈالتے۔

ہمیں اپنی منزل ڈھونڈھنے کے لئے آگے کی طرف بڑھنا ہے نہ کہ پیچھے کی طرف ہٹنا ہے، وہ شخص جو آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ مگر اس کی پیچھے دیکھنے کی عادت ہے، وہ لازمی طور پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ ایسا انسان کسی بھی طرح کی ترقی کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا آپ برائے مہربانی غور کریں کہ کس طرح بدقسمتی سے خراب اور مخالف حالات پیدا کرنے والے واقعات ہمارے دماغی توازن کو خراب کر دیتے ہیں اور ہم ایک دم دکھی ہو جاتے ہیں، اس لئے اس رحم دل، رحیم، کریم، غفار، مہربان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ "وہ" ہمارے گزشتہ زندگی کے واقعات کو بھلا دیتا ہے، اب ہم اپنے موجودہ جیون (زندگی) میں ازسرنو جدوجہد شروع کر کے اپنی بہتری کے اسباب وسائل کے ذریعے اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں، اس سے ہمیں ترقی اور ارتقاء کے راستہ پر آگے بڑھنے میں مدد ملے گی اگر ہمیں اپنے گزشتہ جنموں کے دُکھ دینے والے اور دل کو رنج وغم دینے والے واقعات کی یادداشت رہتی تو ہم اپنے موجودہ زندگی میں خوشی سے نہیں رہ سکتے تھے۔ ہمیں بغیر کسی لگاو کے تہہ دل سے اپنے موجودہ فرض کو اپنا اوّلین فرض سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں رضامان کر ادا کرنا چاہئے۔ تب ہمارے سب کام آسان، سکھ دینے والے اور ہر طرح کی تھکان سے بچنے والے ہو جائیں گے۔ ہماری ایسی فطرت ہمارے استقلال اور تحمل کو برقرار رکھے گی۔ اور ہمیں اپنے دماغی توازن میں آسودگی بنائے رکھنے میں مددگار ہوگی۔ برائے مہربانی یہ نہ بھولیں کہ آپ کی زندگی کے

ہر دائرہ میں امن، چین اور اطمینان ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، یہ انسانی زندگی کے منزل مقصود کو حاصل کرنے کا سب سے ضروری مقصد ہے من کی تسکین اور تقویٰ کے بغیر آپ کسی بھی طریقہ سے اپنے حالات میں امن و چین قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

مسلم نمائندہ :عالیجناب سوامی جی! آپ نے ہمارے سبھی شکوک دُور کر دئے اِس کے لئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں، مگر پوچھنے کے لئے ابھی بھی ہمارے پاس کافی سوال ہیں چونکہ ہم پہلے ہی آپ کا کافی قیمتی وقت لے چکے ہیں اور باہر دوسرے لوگ آپ سے ملنے اور بات کرنے کے لئے بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں، اس لئے اس وقت ہم آپ سے رخصت چاہیں گے۔ مگر ہماری آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہمیں کل پھر اس وقت اپنا دیدار حاصل کرنے کی اجازت دیں، جس سے ہم ''دھرم'' کے متعلق زیادہ معلومات کر سکیں، ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ ہم پر مہربانی عطا فرمائیں گے۔

سوامی رام :ہاں! ہاں! رام کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مجھے از حد خوشی ہوگی اس کے لئے آپ کا ہمیشہ خیر مقدم ہے۔

حصّہ دوم

Part - II

مسلم نمائندہ: ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے اپنے مذاہب کی عظمت کا اعلان کرنا ایک عام رواج ہو گیا ہے۔ ہم مذہب کا حقیقی مطلب جاننے کے لئے بے قرار ہیں۔ عام عقل کا ایک انسان خلاف بیانی سے بڑا پریشان ہو چکا ہے۔ اس لئے ہماری آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس مضمون پر کچھ علمی روشنی ڈالنے کی عنایت فرمائیں۔

سوامی رام: ٹھیک ہے، بھائیو! حق صرف ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص اس بات کو سمجھے کہ یہ تمام کائنات اللہ کا ہی ظہور ہے، قدرت کہو، نیچر کہو، پرکرتی کہو، مایا کہو، غرض یہ کہ عالم میں جو کچھ نظر آ رہا ہے، وہ خدا کا ہی ظہور ہے دوسرے الفاظ میں، یہ کائنات (خلقت) اُس اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے کوئی بھید نہیں ہے۔ "وہ" سب میں ہے، اور سب "اُس" میں ہیں۔

مگر الگ لگ لوگوں نے، الگ الگ وقت پر، مختلف ملکوں میں، اللہ کے دیدار کے بارے میں "مذہب" (دین) کی الگ الگ تشریح کی ہے۔ انسان کی ترقی اور شائستگی کے مطابق مذہب (دھرم- دین) کا مطلب وقت۔ وقت پر بدلتا رہا ہے! مگر دھرم (کسی مذہب یا دین) کا آخری اثر روحانی ترقی کے سب سے اعلیٰ سطح (منزل) پر پہنچنا ہے جہاں پر پہنچ کر امن، چین، خوشی، روحانی مسرت، سچائی، فراخ دلی، خیر خواہی، عالمگیر محبت، ارادہ کی مضبوطی، خدائی علم موصوف وغیرہ آپ سے آپ خود بہ خود میسر ہو جاتے ہیں۔ مختصراً ہم اس ذات حق کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ جسم، دماغ اور عقل ہم نہیں ہیں، بلکہ "وہ" ہے، جو اس جگت (دنیا) کا مالک ہے۔ دھرم (مذہب یا دین) سچائی (حق) کو جاننے اور بہت سارے ناموں اور روپوں والے بھیدوں کو کھولنے میں ہماری مدد کرتا ہے یہ دھرم (مذہب) ہی ہے۔ جس کے ذریعہ سے ہم پہچان سکتے ہیں کہ حقیقت میں ہم کیا ہیں اور ہمارا سب سے اولین فرض کیا ہے! مذہب کا یہی مدعا ہے۔

مسلم نمائندہ: سوامی جی! ابھی آپ نے دھرم (مذہب-دین) کی جو تشریح کی ہے برائے مہربانی اُس پر کچھ اور روشنی ڈالیں، جس سے کہ ہم اُسے با آسانی سے اور ٹھیک- ٹھیک سمجھ سکیں!

سوامی رام :رام اُمید کرتا ہے کہ یہ آپ سبھی جانتے ہیں کہ قرآن شریف کے مطابق ''اللہ'' کی ذات بالا و برتر و ہر ابتداء کی ابتداء اور ہر انتہا کی انتہا ہے۔ ست اور اَست یعنی حق اور باطل یا باقی و فانی دونوں سے بالاتر ہے وہی محض وہی ہے! وہی ہمارا ابتدائی، باعث ہے مگر یہ بڑی دکھ کی بات ہے کہ نمائش اور تمکنت آمیز دنیا کے الگ الگ کھنچاؤ و فریفتگی کی وجہ سے ہم اُس خداوند تعالیٰ کو بھلا دیتے ہیں، مادی مفادات کے لالچ میں آ کر ہم پوری طرح بہک گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی دھن دولت اور جائداد کے غلام ہو گئے ہیں۔ یہ اس قسم کے لالچ ہمیں اللہ کا دیدار نہیں ہونے دیتے۔ اپنے آپ کو ان گہرے گڑھوں سے بچانے کے لئے ہمیں مذہب (دین) کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے کہ ہم اپنی زندگی کے منزلِ مقصود کو نہ بھولیں اور ہر طرح سے دن بہ دن ترقی کے راستہ پر بڑھتے رہیں۔ یہی مذہب ہے، جس کے ذریعہ سے ہم جہالت کے اندھیرے سے نکل کر اپنے آپ کو اللہ میں غرق کر سکتے ہیں، جس سے ہماری پیدائش ہوئی ہے۔

مختلف انسانوں کی مختلف عادتیں ان کی فطرت اور اُن کے زندہ رہنے کے ڈھنگ بھی الگ۔ الگ طرح کے ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے انسانوں کا آخری مدعا ایک ہی ہوتا ہے یعنی اللہ کا دیدار ہونا۔ اس مالک کو جاننا۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مذہب (دین) ''اُس'' بے حد کی طرف ترقی کر کے پہنچنے کی ایک صادق اور سچی ترکیب ہے۔ دوسرے الفاظ میں مذہب اللہ کا دیدار کرانے میں ہماری محدودیت میں رہنے کی عادت کو غیر محدود ہستی میں جوڑنے کے لئے ہماری مدد کرتا ہے۔ اللہ کی بے حد عالم گیر طاقت کے ذریعے سے، انسان میں جو غیبی طاقت ہے، جسے وہ جانتا نہیں ہے۔ وہ اس کی مہربانی سے ایک دم ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس اللہ تعالیٰ کے اس چھپے ہوئے خزانے کو کیوں کر ڈھونڈھا جائے، صرف یہی جاننے کے لئے ہمیں مذہب کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے جو اس انمول خزانے کو کھولنے والی چابی کے برابر ہے۔

سوال : آپ کہتے ہیں کہ انسان اللہ ہے! کیا یہ کسی بھی طرح سے ممکن ہے؟ برائے مہربانی اس پر اور تھوڑی روشنی ڈال کر عنایت فرمائیں۔

جواب :اکیلا انسان ہی کیوں؟ ہم جو کچھ بھی دیکھتے ہیں محسوس کرتے ہیں اور اس کے علاوہ جو تخیل کرتے ہیں سب اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ آپ کا اپنا قرآن کہتا ہے کہ آپ کے

اپنے دل کی دھڑکن سے بھی زیادہ اللہ آپ کے نزدیک ہے، اگر آپ قرآن شریف کے اس فرمان کو منظور کرتے ہیں تو آپ کو یہ بھی منظور کرنا ہوگا کہ یہ محض آپ کے ہی معاملے میں صحیح نہیں ہے، بلکہ ہر ایک چیز اور ہر ایک مخلوق کے معاملے میں بھی صحیح ہے! اس لئے قرآن کے مطابق آپ کو ہر چیز میں نور الٰہی کا درشن (دیدار) کرنا ہوگا۔ وہ سب میں اور سب جگہ موجود ہے اور عالم گیر ہے، ابداً ابد اور ابدیت ہے۔ ''وہ'' آپ کے جسم کے ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرّہ، ہر ایک جز، اور دل ودماغ اور عقل میں سمایا ہوا ہے۔ قرآن کے مطابق ''وہ'' حاضر وناظر ہے یعنی وہ سب جگہ موجود اور عالم مطلق (عالم الغیب) ہے۔ آپ کے پاس اس کے علاوہ کوئی اختیار نہیں ہے کہ آپ سب میں ''اس کی'' موجودگی کو محسوس کریں۔ ''وہ'' کسی بھی طرح آپ سے الگ نہیں ہے۔

اس طرح ''وہ'' آپ کے ساتھ ایک ہے! اور جب ''وہ'' مکمل طور سے آپ کے ساتھ ایک ہے تو آپ میں اور اللہ میں فرق ہی کہاں رہ جاتا ہے؟ آپ خود وہ ہیں، جو ''وہ'' ہے اور ''وہ'' وہ ہے جو آپ ہیں۔ اس لئے اللہ کو سبھی میں دیکھئے اپنے میں بھی اور کسی چیز کے ہر ذرّہ ذرّہ میں بھی۔ اُسے دوست یا دشمن، کافر اور مومن سب میں ایک نظر سے دیکھئے اور سب کو خود کے برابر مان کر محبت اور پیار دیجئے، کیونکہ وہی خدا یا اللہ جو آپ میں ہے۔ دوسروں میں بھی موجود ہے۔

سوال: مگر ہمارے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم دشمنوں اور کافروں کو اپنے برابر مان کر ان سے محبت کریں۔

جواب: ''ہمیں کسی سے محبت کرنے کے لئے کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ محبت اپنے آپ پیدا ہونے والی چیز ہے۔

محبت کی نہیں جاتی بلکہ خود بہ خود ہو جاتی ہے

آپ اپنی بیگم سے محبت کرنے لگتے ہیں جسے ممکن ہے آپ نے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ ہو۔ آپ شادی (نکاح) کے بعد اچانک کیسے اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں؟ کیا آپ اُس کے نام کی تسبیح (مالا) جپتے ہو؟ آپ کس طرح اپنے ننھے بچے سے محبت کرنے لگتے ہیں جسے آپ نے جنم سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا؟ ایسا کیوں؟ کیونکہ آپ اپنی خاتون اور بچے کے ساتھ یکدلی (ایکتا) محسوس کرنے لگتے ہو۔ مہربانی کر کے یاد رکھیں کہ کوئی بھی کسی سے تب تک محبت نہیں کر سکتا،

جب تک وہ اُس کے ساتھ یکدلی محسوس نہ کرے، یہ قدرت کا ایک اٹل قانون ہے آپ کسی بھی حالت میں اللہ سے الگ نہیں ہوسکتے جو پہلے ہی سے آپ میں موجود ہے اور آپ کے چاروں طرف ہے۔اس طرح اللہ محض آپ میں ہی موجود نہیں ہے۔ بلکہ کافروں میں بھی موجود ہے! اگر آپ ''اُس سے'' محبت کرتے ہیں تو یہ قدرتی بات ہے کہ آپ کو اُن سب سے بھی پریم (محبت) کرنی ہوگی جن میں خود آپ کا اپنا اللہ سمایا ہوا ہے۔ کافر اور مومن کے علیٰحدہ علیٰحدہ خدا نہیں ہیں یعنی ایک غیر مسلمان اور مسلمان کے الگ الگ اللہ نہیں ہے۔ اللہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ ایک ہے اللہ کے سب جگہ موجود ہونے کی وجہ سے سب کے ساتھ سب کو اپنے جیسا سمجھ کر اس سے برادرانہ سلوک کریں اور محبت کریں چاہے وہ ہندو، مسلم، کافر یا مومن ہی کیوں نہ ہو!!

اسی طرح، آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہیں۔ بہت اچھا! مگر آپ کو پہلے اُس کے ساتھ یکتائی (وحدت) کا احساس کرنا ہوگا۔ یہ محبت کا اصول ہے، اس لئے آپ اللہ کے ساتھ تب تک محبت نہیں کرسکتے، جب تک آپ ''اس کے'' ساتھ یکتائی سے آگاہ نہیں ہوجاتے یعنی جب تک اپنے وجود میں اُس کی وحدانیت کو محسوس نہیں کرتے۔ آپ کو ''اُس کے'' ساتھ جتنی زیادہ یکتائی کا احساس ہوگا، آپ اتنا ہی زیادہ اُس سے محبت کریں گے! مگر اللہ بے انتہا، عظیم اور غیر محدود ہے، وہ اس مخلوقات کے ذرّہ ذرّہ میں موجود ہے، چونکہ اس دُنیا میں ہر طرح کے انسان ہیں۔ نیک اور بد اس لئے اگر آپ سچ مچ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو آپ کو بغیر اُن کی ذات پات، دھرم (مذہب-دین) اور قوم وغیرہ کو دھیان میں رکھے ہوئے سب سے محبت کرنی ہوگی چاہے وہ اچھے ہوں یا برے ہوں۔ کیونکہ ''اُسے'' یعنی اُس خداوند تعالیٰ کو کسی سے بھی الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اگر ہم سچے مومن ہیں یعنی اللہ کے سچے پرستار ہیں تو کافر اور مومن سبھی کو بغیر کسی تفرقہ کے ہم کو ان سب سے محبت کرنے کے لئے مجبور ہیں، اگر آپ کسی سے نفرت کرتے ہیں تو یہ اُس اللہ کی بے عزتی ہے، کیونکہ وہی اللہ جو آپ میں موجود ہے، ''وہ'' اُس شخص میں بھی موجود ہے، جس سے آپ نفرت کرتے ہیں، ناپسند کرتے ہیں یا جسے آپ تیاگ دیتے ہیں اور کنارہ کرتے ہیں اس لئے آپ کی زندگی کا نصب العین ہونا چاہئے سب سے اپنے جیسا محبت کرنا اگر آپ تہہ دل اور روح سے سب میں اللہ کی موجودگی کو محسوس کرنے لگتے ہیں، تو آپ کی خودی اور خودغرضی کا پردہ جو اس غیر

قدرتی صورت اللہ تعالیٰ کے دیدار ہونے میں روکاوٹ ڈالتا ہے، ایک دم ہٹ جائے گا اور آپ کے دل میں سب کے ساتھ محبت کا جذبہ خود بہ خود اپنے آپ ظہور میں آ جائے گا، ان کے لئے بھی جنہیں آپ کافر کہتے ہیں۔ سب سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنے کے برابر ہے۔

برائے مہربانی آپ غور کریں کہ جب کہ اللہ اس زمین کے ذرّہ ذرّہ میں موجود ہے تو کیا آپ یا آپ کا کافر "اُس" سے دور یا الگ ہو سکتے ہیں؟ اور جب آپ کو "اُس کے" ساتھ ایک ہونے کا احساس ہو جاتا ہے تو آپ اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ جاتے ہیں، آپ کو اس بات کا احساس ہوگا کہ وہی اللہ جو تمام مخلوق (خلقت- کائنات) کو چلا رہا ہے۔ ہم سب میں موجود ہے، آپ میں، جمادات میں، نباتات میں اور جانوروں کی دنیا میں۔ کیا کوئی فرق بنا رہ سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی سب کے ساتھ یکتائی، یکدلی ہے۔ آپ بے حد، بے انتہا، کامل اور عظیم ہیں۔

سوال: مگر اس لامتناہی (بے پایاں) کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے یا اس کو کس طرح محسوس کیا جا سکتا ہے۔

رام: ایک اُردو شاعر نے ٹھیک کہا ہے۔

عقل و خرد سے ہم کو سروکار کچھ نہیں
اِن دونوں صاحبوں کو ہمارا سلام ہے

ہمیں عقل اور سمجھداری سے کچھ لینا، دینا نہیں ہے، ہم تو الوداع کہنے کے لئے سلام کرتے ہیں۔ محدود عقل کے ذریعہ ہم غیر محدود (بے حد) کو نہیں سمجھ سکتے۔ مگر علم موصوف (علم الٰہی) کے ذریعہ بے شک "اُس" کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

آپ اور اللہ کے درمیان مشابہت، تشبیہ کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا ہے، تمثیل و مشابہت تو دو چیزوں کے بیچ میں کی جا سکتی ہے۔ یہ صرف دویت واد جہاں دو ہوں وہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ویدانت (تصوف) میں یہ سب ایک ہے، بغیر کسی دوسرے کے صرف ایک ہے۔ جب مشابہت کے لئے دوسرا کچھ ہے ہی نہیں تو آپ مشابہت کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ توحید ہے یا جیسا کہ آپ اپنے اسلام میں کہتے ہیں۔

"وحدانیت" ہے

ایک شاعر فرماتا ہے:

ایک ہی ایک ہے یاں غیر کا کچھ کام نہیں
ذاتِ مطلق میں دوئی کا تو کہیں نام نہیں

ایک اور صرف ایک کی ہی ہستی ہے، دوسرے کی گنجائش نہیں۔ اُس خود مختیار مطلق میں نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی دوییت وادیعنی دوئی ہے۔

میرے عزیزو! آپ اللہ کو وحدہٗ لاشریک یعنی خدائے تعالیٰ اکیلا ہے کہتے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تب کس سے موازنہ کی جائے۔

اگر ہم خود ہی اللہ ہیں تو ہمارے اندر ''اُس کے'' کچھ قدرتی اوصاف ہونے چاہئیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

جس کو کہتے ہیں خدا، ہم ہی تو ہیں
مالک ارض وسماء ہم ہی تو ہیں
طالبان حق جسے ہیں ڈھونڈتے
عرش پر وہ دلربا ہم ہی تو ہیں

جسے خدا کہا جاتا ہے وہ ہم ہی ہیں۔ ہم تمام مخلوق کے مالک ہیں، وہ ہم ہی ہیں، جنہیں حق راستی کے عاشق (متلاشی) بہشت میں ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

حقیقت میں ہم سبھی خدا ہیں۔ ہمیں اس میں کوئی شک یا شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کون کہتا ہے کہ ہم میں اللہ کے وصف موجود نہیں ہیں۔ آپ برائے مہربانی اس بات پر غور فرمائیں۔

آپ پہلے ہی جانتے ہیں کہ اللہ کا وجود ہے اور ''وہ'' لازوال ہے ''وہ ہمیشہ ایک جیسا رہتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ''وہ'' خود مختار اور بے تعلق ہے۔ ویدانت کے اصطلاحات کے مطابق ''اُسے'' حق یا کامل حق کہا گیا ہے۔ حق کا مطلب ہے غیر فانی، دائمی، لازوال ''وہ'' جو ہمیشہ ایک سا رہتا ہے۔

دوسری چیز جسے آپ بھی منظور کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اونچا اور اچھا کچھ بھی نہیں ہے۔ ''وہ'' عقل اور علم کا استعارہ ہے ''وہ'' جو بھی کرتا ہے، ٹھیک کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ''وہ علم کامل ہے۔ ویدانت کی اصطلاحات کے مطابق ''اُسے'' چِت یعنی من کہتے ہیں۔

تیسری چیز یہ ہے کہ اللہ کو کسی چیز کی کمی نہیں ہے! ''اُسے'' کسی چیز کی ضرورت یا کمی نہیں ستاتی۔ اللہ کا کوئی مخالف نہیں ہے۔ اس کا کوئی حصہ دار یا شریک نہیں ہے۔ ''وہ'' آپ کے قرآن کے الفاظ میں ''وحدہٗ لاشریک'' ہے (لاشریک لہٗ) یعنی اُس خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے) ایسی ہستی ہمیشہ خوش و خرم اور شادماں رہتی ہے۔ ''وہ'' سبھی سخت دشوار حالات سے بالا تر ہے۔ دوسرے الفاظ میں اللہ مکمل فرحت، شادمانی ہے! ویدانت میں اِسے ''آنند'' کہا جاتا ہے۔

اس لئے ہندو فلسفی برہم (خدا) کو ست چت آنند یعنی ''سچید انند'' کہتے ہیں مسلم اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ اللہ ہستی مطلق، علم مطلق و سرور مطلق ہے، ہندو جو کہتے ہیں اُسے منظور کرتے ہیں، مگر بدنصیبی سے آپ خود اپنے دین کے کہنے کو صاف طور سے نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ سب خدائی صفت اور خاصیتیں نہیں ہیں۔ صفات اور عادتیں بدلی جا سکتی ہیں اور وہ بدلتی بھی ہیں، مگر اللہ کی قدرت جسے مسلم لوگ خدا کی فطرت کہتے ہیں، ایک طرح سے کہا جائے تو اللہ کا ہی روپ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی کبھی نہیں بدلتی ہے۔ آپ آتش (آگ) کی مثال لے سکتے ہیں! جہاں کہیں بھی آگ ہے وہاں گرمی، روشنی اور استعداد ہونا لازمی ہے۔ آگ کے یہ تین خاص خدوخال ہونے لازمی ہیں۔ ان سے آگ کی فطرت کا تبادلہ ہوتا ہے لیکن جو کبھی نہیں بدلتا ہے۔ آپ انہیں آتش کی ہی صورت کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح سچید انند (اللہ) کی ہی فطرت ہے جو ایک جگہ قائم ہے اور کبھی بدلتی نہیں ہے۔ اس کی اعلیٰ فطرت کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ ہر ایک جگہ خود کو کسی نہ کسی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ آپ برائے مہربانی، اس مقولہ کو تمام عالم میں لاگو کر کے دیکھیں! آیئے پہلے اِسے انسان پر لاگو کر کے دیکھتے ہیں۔

ہم روزآنہ اپنے چاروں طرف، اپنے گاؤں میں، شہروں میں اور بستیوں میں لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے انہیں مرتے ہوئے دیکھنے کے باوجود ہم موت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ہم موت کو ایک روزمرہ کا حصہ مان کر دور ہو جاتے ہیں جیسے کہ یہ ایک علم بات ہو! ہم اس پر ایک لاپرواہی والی نگاہ ڈالتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ جسم جو اس زمین پر آیا ہے، اُسے ایک نہ ایک دن جانا بھی ضروری ہے۔ ہم اپنی موت پر فکر کرنے کے بارے میں ایک لمحہ کا بھی وقت نہیں دیتے ہیں جیسے کہ ہمیں اس کے متعلق فکر یا احتیاط برتنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہم لگاتار

آسودگی کے ساتھ اپنا روزمرہ کا کام جاری رکھتے ہیں جیسے کہ ہم نے کبھی مرنا ہی نہیں ہے۔ ہم بہت ہی جلدی اپنے قریبی اور پیارے رشتہ داروں کی موت کے واقعات کو بھی بھلا دیتے ہیں۔ ہم کو مردہ گھاٹ اور چتا کے پاس بڑی خوشی سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے جیسے موت کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ وہ اشخاص جو بہت ہی بھیانک بیماریوں کے شکار ہیں، ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش کرتے ہیں۔ ایسا کیوں؟ کیا کبھی آپ نے اس بارے میں خیال کیا ہے کہ کیوں عام دُنیا موت کو سنجیدگی سے نہیں لیتی ہے اور غفلت سے اس خیال کو چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے؟

آپ نے غور کیا ہوگا کہ ہر ایک بشر خود کو عالم الغیب سمجھتا ہے۔ اپنی زیادہ سے زیادہ بیوقوفانہ غلطیوں کو بھی وہ اپنے الگ ڈھنگ سے دلیل دے کر صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی غیر یقینی کیوں نہ ہوں۔ اگر آپ کسی بہت بڑے بیوقوف کو بے وقوف کہتے ہیں تو وہ خود کو بہت زیادہ بے عزت محسوس کرتا ہے وہ اپنی اتنی بے عزتی محسوس کرتا ہے کہ وہ آپ کو اپنا سب سے بڑا دشمن مان لیتا ہے اور آپ سے لڑنے جھگڑنے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک بہت بڑا گناہگار، بدکردار اور پیشہ ور مجرم بھی اپنے نامہذب اور وحشی گناہوں کو چھپا کر اپنے آپ کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک قاتل بھی اپنے سنگین جرم کو ثابت کرنے کی کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ یہ روزمرہ کی زندگی کی عام باتیں ہیں۔ کیا آپ نے کبھی یہ خیال کیا ہے کہ کیوں لوگ خود کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو پارسا ثابت کر کے گناہوں سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔

چلئے دوسری مثال دیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ پہلے ہی جانتے ہیں کہ ہر ایک شخص کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہے اور پرسکون زندگی بسر کرے۔ اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ رنج و غم سے ہمیشہ آزاد رہے۔ وہ سبھی دنیاوی کاموں کو محض اِس خواہش سے کرتا ہے کہ وہ اپنے کو خوش رکھ سکے اور اس کی زندگی پرسکون گزرے وہ چاہتا ہے کہ اُس کی خوشحالی ہمیشہ بنی رہے! صرف انسان ہی نہیں، بلکہ دنیا میں جو بھی مخلوق ہے وہ سب خوشی اور امن۔ چین سے اپنا اپنا جیون (زندگی) بسر کرنا چاہتے ہیں۔ کیوں ہوتا ہے ایسا؟ یہ انوکھا۔ بے نظیر اور سب کی ایک جیسی خواہش عالم گیر کیوں ہے؟

موت کی خواہش کوئی نہیں کرتا! کوئی بھی بے وقوف نہیں کہلانا چاہتا! ہر بشر اپنے آپ کو

سب سے عقلمند فرد سمجھتا ہے۔ ہر ایک شخص خود مختیار اور آزاد رہنا چاہتا ہے اور اپنی تمام زندگی خوش اسلوبی اور امن چین سے بسر کرنا چاہتا ہے۔ یہ علامت جو سبھی جاندار مخلوقات میں موجود ہے، اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہم سبھی ایکتا کے دھاگے میں بندھے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی بشر ان شدید خواہشات کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ برائے مہربانی اس عالم گیر خواہش پر غور فرمائیں۔

جو کچھ سونے سے بنا ہوا ہے وہ سونے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ لوہے سے بنا ہوا ہے، وہ لوہا ہی ہے اور جو کچھ مٹی سے بنا ہے وہ مٹی ہے۔ چونکہ ہم سبھی اللہ سے ظہور پذیر ہوئے ہیں جو ہمارا بنیادی منبع ہے یعنی اوّل و آخر ایک خدا ہے، وہی ہم سب کو ظہور میں لانے کا اصل باعث ہے، اس لئے یہ فطری ہے کہ ہمارے اندر اُس کی فطرت کا بالکل اُسی طرح وارثت پانا ہے ظہور ہو جیسے پودے کے بیج میں پودے کی خصلت پوشیدہ ہو کر اندرونی طور سے اس میں موجود رہتی ہے۔ اللہ کی فطرت بھی ہمارے اندر موجود ہوتی ہے چونکہ ہم آبِ حیات یعنی خدا کے، جو غیر فانی لازوال ہے، بسر ہیں اس لئے قدرتی طور پر ہمیں بھی لازوال ہونا چاہئے!

رام نے آپ کو پہلے ہی اللہ کی خاصیت کے بارے میں بتلایا ہے۔ وہ عین حق، عین علم اور عین سرور ہے۔ چونکہ ہم سب اللہ سے ہی ظہور میں آئے ہیں (پرکٹ ہوئے ہیں) اور چونکہ صرف وہی ہمارا ابتدائی اصل منبع و مبدا ہے۔ ہم نے ''اُس کی'' فطرت کو وراثت کی حیثیت سے اختیار کیا ہے۔ پھر ہم موت سے کیوں ڈریں۔ موت محض جسم کی ہوتی ہے اور ہم یہ جسم نہیں ہیں۔ ہم روح میں (آتما) ہیں۔ عالمگیر آتما جو لازوال اور استمراری ہے۔ پھر ہمیں موت کا ڈر کیوں؟ پھر ہم موت کی پرواہ کیوں کریں اور کیوں اُس کے بارے میں ذِکر کریں۔ حقیقت میں ہم خود مختیار مطلق ہیں اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، ست (حق) ازلی اور لازوال ہے، دائمی اور بے حد ہے۔ اس لئے سچائی کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا، کبھی کچلا نہیں جا سکتا ہے۔ موت اگر کبھی بھی اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھانے کی کوشش کرے گا تو موت کی ہے موت ہو جائے گی کیونکہ ہم اَمر آتما ہیں لازوال ہیں۔

جب ہماری اصل حقیقت ہی کل مختیار اور مطلق ہے جہاں سے علم عقل اور فراست ظہور میں آتے ہیں تو ہم اپنے آپ کو بے وقوف اور مخبوط العقل کیوں سمجھیں۔

جب بنیادی طور پر کامل خوشی ہی ہمارا بنیادی ذریعہ ہے تو کیوں نہ ہم دلکش اور فرحت بخش

خوشی اور ترنم والی انبساط سے بھرپور، سکون کا لطف حاصل کرنے کی کوشش کریں، مگر بڑے دُکھ کی بات ہے کہ ہم مادی چیزوں میں لطف اور خوشی ڈھونڈتے۔ بدقسمتی سے ان مادی چیزوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہے کیونکہ یہ سب فانی ہیں۔ ہم ان سے دائمی خوشی اور ہمیشہ رہنے والا امن وچین کس طرح حاصل کرسکتے ہیں، اس لئے ہمیں ہمیشہ فریب، دغابازی اور ٹھگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میرے عزیز دوستو! دائمی خوشی کو مہیا کرنے کی طاقت اُس مستقل عالمگیر اللہ کے بذریعہ ہی مل سکتی ہے۔ مادی چیزیں جو خود ہی چند لمحہ کے لئے ہیں اور جو چنچل اور فانی ہیں، ان سے دائمی خوشی اور امن چین حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کی بنیادی فطرت کی جانکاری اور خود میں ''اُسے'' محسوس کرنے کے بعد انسان کو یہ پختہ احساس ہوجاتا ہے کہ ہم بھی وہی ہیں جو ''وہ'' ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ناواقف ہونے سے اور دل میں گہری بیٹھی ہوئی لاعلمی کی وجہ سے ہم اپنی اصلی ہستی کو بھول گئے ہیں اور اس دنیا کی مادی خوشیوں کی تڑک بھڑک میں پڑکر اس کے قابو میں ہوگئے ہیں۔ میرے عزیزو! آپ واضح طور سے دیکھتے ہیں کہ ہم میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف موجود ہیں، کیونکہ ''اُسی'' سے ہماری پیدائش ہوئی ہے۔ اس لئے اگر آپ اصلیت میں دنیاوی رنج وغم سے چھٹکارہ پانا چاہتے ہو تو برائے مہربانی، اپنے آپ کو پہچانو اور سمجھو اور ''اس کے'' ساتھ یکتائی محسوس کرو! اسی طرح آپ کو نجات حاصل ہوسکتی ہے اور یہیں پر آپ خوش وخرم، سکون اور چین سے دائمی فرحت بخش، انبساط سے بھرپور خوشیوں کا لطف لے سکتے ہیں۔

سوال: جیسا کہ تصویروں میں دکھایا گیا ہے، ہندوؤں کے ایشور (خدا) بحر اعظم جسے دودھ کا سمندر کہا جاتا ہے، اس میں سو (۱۰۰) پھن والے سانپ کے لمبے چوڑے جسم پر لگاتار نیند میں مگن رہتے ہیں۔ ہم کو بڑی ہی حیرانی ہوتی ہے کہ ''وہ'' بحر میں سانس کس طرح لیتے ہوں گے۔ ''وہ'' اتنے آرام پسند ہیں کہ قیمتی قیمتی زیوارت سے آراستہ ایک حسینہ اُن کے پاؤں دباتی ہے؟ کیا ہندوؤں کے ایشوروں کی یہی اصلیت ہے؟ کیا ہم جان سکتے ہیں کہ اصلیت کیا ہے؟

جواب: ایک مخصوص اور عجیب طرح کے ست (حق) کو ایک معمولی عقل والے عام آدمی کو سمجھانے کا یہ ایک علامتی طریقہ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ ایک بہادر آدمی کا ذکر کرنے کے لئے ہم اُسے شیر کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس آدمی کے پاس اپنا شکار پکڑنے کے لئے نوکیلے ناخونوں

والے پنجے ہیں اور کچا گوشت کھانے میں مدد دینے والے نوکیلے دانت ہیں۔ اس کا صرف یہی مطلب ہے کہ وہ شخص شیر جیسا بہادر اور خود مختار ہے اور اسے کسی کا بھی ڈر نہیں ہے۔ اس کو تمثیلی بیان کی زبان بولتے ہیں، آپ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ فلاں شخص بڑا گائے ہے یعنی بڑا بزدل ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس شخص کے سر پر سینگ ہوں گے اور وہ بھوسا کھاتا ہوگا۔ یہ بھی کسی بات کو بیان کرنے کا تشبیہ سے بھرا ہوا ڈھنگ ہے کہ فلاں آدمی بہت ہی سیدھا، سادہ، شانت اور بھولا، بھالا ہے۔

اسلام بھی کہتا ہے کہ اللہ غیر محدود ہے اور آپ جانتے ہیں کہ عقل محدود ہے۔ پھر کس طرح محدود عقل محدود ذہن سے غیر محدود ایشور کو سمجھا جاسکتا ہے؟ اس لئے اس کی تشریح الفاظ کے ذریعہ ناممکن ہے، کیونکہ الفاظ کے بھی اپنے حدود ہیں۔ حد کو محدود کے ذریعہ کس طرح باندھا جاسکتا ہے؟ ہندوؤں نے ایشور کی تعریف بیان کرنے میں اپنی ناقابلیت ظاہر کی ہے۔ وہ "نیتی، نیتی، نیتی" کہتے ہیں یعنی "وہ" نہ یہ ہے اور نہ وہ ہے! پھر بھی آپ قدیم ہندوؤں کی عقل اور دانش مندی کی تعریف کریں گے کہ انہوں نے کم سے کم تصویروں کے ذریعے سے ایشور کی جھلک کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ایک عام آدمی کو تصوّر کے پرے، ایشور کا قیاس کرنے میں اِس سے مدد ملے گی۔ انہوں نے اس کی تشریح علامات کے ذریعہ سی کی ہے یعنی تمثیلی بیان۔

تصویر میں ایشور کو بحر اعظم (دودھ کے سمندر میں) ایک سو پھنوں والے خاص سانپ شیس ناگ کے جسم پر آرام کے ساتھ لیٹا ہوا دکھایا گیا ہے۔ لکشمی، دھن دولت کی دیوی، اُن کے پاؤں دبا رہی ہے۔ اُس کے نابھی (ناف) سے ایک ٹہنی۔ ڈنڈی نکلی ہوئی ہے۔ جس کے سرے پر چار پنکھڑیوں والا ایک خوبصورت کنول کا پھول ہے۔ اس پھول پر برہما جی بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے چاروں منھوں سے وید کا وعظ کر رہے ہیں۔ ایشور کی صورت آسمانی نیلا دکھایا گیا ہے۔ اس تمثیلی بیان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہندوؤں کا ایشور بحر اعظم (دودھ کے سمندر) میں لگاتار آرام کرتا رہتا ہے اور اس کو خوش رکھنے کے لئے ایک بہت ہی خوبصورت عورت حاضر رہتی ہے۔ یہ تصویر محض ایک علامتی تصور ہے۔ پہلے ان علامات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے تبھی آپ آگے بڑھ سکیں گے۔

جیسا کہ ہم سبھی جانتے ہیں کہ ایشور (اللہ) انسان کی سمجھ سے باہر ہے محدود عقل کس طرح

غیر محدود ایشور (اللہ) تک پہنچ سکتی ہے؟ مگر ہم اسے پوری طرح سے نظر انداز بھی نہیں کرسکتے۔ ایک خاص حد تک ہمیں اس کی مدد لینی پڑے گی۔ ہندو اور مسلمان سبھی ایشور (اللہ) کو سب جگہ موجود مانتے ہیں۔ مسلم "اسے" حاضر اور ناظر کہتے ہیں یعنی وہ سب جگہ موجود ہے اور عالم مطلق، عالم الغیب بھی ہے۔ ہندو "اُسے" عالم گیر کہتے ہیں۔ ایشور (اللہ) کی عالمگیری (عمومیت) ظاہر کرنے کے لئے ہندوؤں نے "اُسے" "وشنو" کا نام دیا ہے جس کا مطلب ہے عالم گیر۔

ہندوؤں نے تصویر میں بھگوان وشنو کا آسمانی نیلا رنگ کیوں دکھلایا ہے؟ اس کا کچھ نہ کچھ تو مطلب ہوگا! آپ جانتے ہیں کہ آسمان کو نیلا کہا گیا ہے۔ یہ تاروں اور کہکشاں (آکاش گنگا) کے پرے ہے۔ یہ اتنا فراخ، کشادہ اور وسیع ہے کہ انسانی دماغ اس کا قیاس بھی نہیں کرسکتا۔ اس لئے انہوں نے "اُسے" کالے یا سفید رنگ میں نہیں دکھلایا ہے، لیکن اُس کی "غیر محدودیت ظاہر کرنے کے لئے اُسے ہلکے نیلے رنگ کا دکھلایا ہے جو کہ آکاش کا رنگ ہے، جس سے سمجھایا جاسکے اور سمجھ سکیں کہ ایشور (اللہ) بے حد بے انتہا کامل اور عظیم ہے۔

آپ بھی جانتے ہیں کہ آکاش نہ صرف بے حد ہے بلکہ ناممکن التقسیم ہے۔ اس لئے آسمانی نیلا رنگ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہندوؤں کا ایشور، وشنو نہ صرف بے حد ہے، بلکہ غیر منقسیم اور اکھنڈ بھی ہے۔ اب رام آپ کو شیس ناگ کا مطلب بتلانے جارہا ہے، اُس سانپ کی تشریح کرنے جارہا ہے، جس کے جسم پر سرب بیاپی، حاضر ناظر، بے حد اور نا قابل تقسیم وشنو سوئے ہوئے دکھلائے گئے ہیں۔ شیس ناگ دو لفظ سے مل کر بنا ہے۔ ایک لفظ ہے۔ شیس اور دوسرا ہے ناگ! شیس کا مطلب ہے "وہ جو بچ جائے" اور "ناگ" کا مطلب ہے۔ "وہ سانپ جو بچ گیا۔" اسے اور بھی واضح کرنا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستانیوں میں ایک عام اعتقاد ہے کہ ایک مادہ سانپ ایک دفعہ میں لگ بھگ ایک ہزار انڈے دیتی ہے، اگر کسی طرح سے یہ سبھی انڈے زندہ سانپوں میں تبدیل ہوجائیں تو جلدی ہی تمام زمین سانپوں سے بھر جائے گی۔ اس دنیا میں رہنے والوں کے لئے ایک خطرناک صورت پیدا ہوجائے گی۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق سانپ انڈے دینے کے بعد بھوک کی شدت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ خود ہی اپنے انڈوں کو کھانے لگ جاتی ہے۔ اگر کوئی انڈہ کسی طرح خوش قسمتی سے بچ جاتا ہے تو وہ ترقی کرکے سانپ بن جاتا

ہے۔ شیس ناگ کہا جاتا ہے، یعنی بچا ہوا سانپ۔

اب برائے مہربانی اس بات پر غور فرمائیں۔ ہندو عقیدہ وتصوّر اور ہندو دین کے مطابق ایک دن اس مخلوقات کا فنا ہونے کا دن آئے گا۔ مسلمان لوگ اسے قیامت یا ''روزِ قیامت'' کہتے ہیں۔ اس وقت تمام مخلوقات ختم ہو جاتی ہے اور خالق میں غرق ہو جاتی ہے۔ سب کچھ ختم ہو جانے کے بعد صرف ایشور (اللہ) ہی باقی رہتا ہے، کیونکہ ''وہ'' غیر فانی و لازوال ہے، صوفی مسلم شاعر غالب نے بھی اس خیال کی تصدیق کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا

تشریح: جب کچھ بھی نہیں تھا تو خدا تھا جب کچھ بھی نہیں رہے گا۔ تب بھی خدا ہمیشہ موجود رہے گا۔ مجھے میرے ہستی کی خودی نے ڈبو دیا، جب سب کچھ فنا ہو جائے گا، تو ایشور (اللہ) کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے فنا ہونے کے بعد اگر صرف کسی کا وجود (ہستی) باقی رہتا ہے تو وہ اللہ کا رہے گا۔ جیسا کہ اُس شیس ناگ کا وجود! اس لئے ہندوؤں نے بیان کے ذریعے سے اپنے بھگوان وشنو (عالمگیر) کو شیس ناگ کے جسم پر یہ اظہار کرنے کے لئے لیٹا ہوا دکھلایا ہے کہ تمام خلقت کی ویرانی بربادی یا فنا یعنی قیامت کے دن کے بعد بھی صرف ایک اللہ ہی بچا رہتا ہے اور اس کی ہستی ہمیشہ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ ایک ''وہی'' باقی رہے گا۔

دنیا میں کوئی خاص، نہ کوئی عام رہے گا

نہ صاحب مقدور، نہ ناکام رہے گا

نہ عیش نہ دُکھ درد، نہ آرام رہے گا

آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق، ایشور (خدا) کو تین خاص کام کرنے ہوتے ہیں۔ تمام کائنات کو پیدا کرنا، قائم رکھنا اور غارت کرنا یعنی پیدا کرنا، پالن کرنا اور ختم کرنا۔ اگرچہ یہ تینوں کام ایک ہی ایشور (اللہ) کے ذریعہ کئے جاتے ہیں، پھر بھی ہندوؤں نے آسانی کے لئے یہ تینوں کام

تین الگ الگ ہستیوں کو سونپ دیئے ہیں۔ تمام کائنات (خلقت) کی تخلیق برہما، سب کو قائم و محفوظ رکھنا وشنو اور سب کو فنا کرنا مہیش کی ذمہ داری قرار دی گئی۔ صرف سہولت کے لئے ہی برہما، وشنو اور مہیش کو الگ الگ مانا گیا ہے، ورنہ ان تینوں کی عالم گیری ایک ہی ہے۔ ان کے الگ، الگ کاموں کی وجہ سے ان کے مختلف مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ اس پہلو کو ہندو مقدس کتاب ''بھاگوت پران'' کے شروع میں ہی صاف طور سے سمجھا دیا گیا ہے! اصلیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب ایک ہی ہے، صرف ایک۔

آدمی صرف ایک ہوتا ہے اس کے بچے اُس کو ابّا جان کہہ کر پکارتے ہیں! اگر وہ آدمی وکیل ہے تو اس کے موکل اُسے وکیل صاحب کہہ کر مخاطب کرتے ہیں، اس کے بھتیجے اور بھانجے اُسے چاچا یا ماما کہہ کر پکارتے ہیں، اگر اسی آدمی کا کاروبار فوٹو گرافی کا ہوتا ہے تو اس کے گراہک اُسے فوٹو گرافر کہہ کر پکارتے ہیں۔ آدمی وہی ہوتا ہے مگر اس کے الگ الگ کاموں کی وجہ سے، اس کے الگ الگ نام ہوتے ہیں، یہی بات برہما، وشنو اور مہیش پر لاگو ہوتی ہے۔ وہ سبھی ایک ہیں، اگرچہ ان کے نام الگ الگ دئے گئے ہیں۔

مہربانی کر کے غور کریں کہ تصویر میں یہ تینوں کام الگ الگ دکھائے گئے ہیں، جب وہ تمام کائنات کو پیدا کرتا ہے تو وہ برہما کے نام سے جانا جاتا ہے اس وقت اسے چار پنکھڑیوں والے کنول کے پھول پر بیٹھا ہوا دکھلایا گیا ہے جس کی ٹہنی یا ڈنڈی بارہ اُنگل لمبی ہے۔ بارہ اُنگل کی ہی لمبائی کیوں؟ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک آدمی کا اعضاء تناسل مرد ہو یا عورت، اُس کی ناف سے تقریباً بارہ اُنگل کی دوری پر ہوتی ہے۔ یہ اعضاء پیدائش کے لئے بڑی اہم ہوتی ہیں۔

اسی وجہ سے اس ٹہنی (ڈنڈی) کی لمبائی بارہ اُنگل کی ہی دکھائی گئی ہے۔ ہر ایک ننھا بچہ ملائم، نازک خوبصورت اور دلرُبا ہوتا ہے۔ جتنا کہ ٹہنی (ڈنڈی) کے اوپر لگا ہوا ایک کنول کا پھول۔ اس کنول کے پھول میں چار پنکھڑیاں ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے چار وید ہیں، بنیادی ہندو کتُب جن میں علم کی چار شاخیں ہیں۔ کرم، بھگتی، گیان اور وگیان۔ وید کا مطلب ہوتا علم۔ ایک بچے سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے دوران اس ویدک علم کی چاروں حصوں کا علم حاصل کر لے اس لئے یہ چار پنکھڑیاں چاروں ویدوں کا خاکہ کھینچتی ہیں یعنی بیان کرتی ہیں، برہما نہ

صرف اس دنیا کی رچنا کرتے ہیں بلکہ ہر بشر کو خدائی، علم موصوف سے آگاہ کرتے ہیں، ایک بچے کا ابتدائی گیان (معرفت الٰہی) آخرکار رفتہ رفتہ خدائی، رحمانی علم معرفت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے برہما کو تصویر میں ویدوں کا سبق پڑھتے ہوئے اور معرفت الٰہی کی تبلیغ کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے جس میں وگیان اور خاص گیان (علم) شامل ہیں جسے برہم گیان (خدائی، علم موصوف) کہتے ہیں۔ یہ سب برہما کا کام ہے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ برہما وشنو اور مہیش ایک ہی ایشور (خدا) کے تین الگ الگ نام ہیں۔

بھگوان وشنو کا کام سب کی حفاظت کرنا ہے، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بھگوان وشنو کے ذریعہ سے تمام کائنات (خلقت) کی حفاظت اُن کی عالم گیری کی وجہ سے ہو رہی ہے۔

ہندو عقیدہ کے مطابق ناف کو ہاضمہ کرنے کا مرکز مانا گیا ہے۔ انسانی زندگی کی حفاظت کرنے میں یہ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اگر انسان کی ہاضمے کی طاقت اچھی ہے تو بڑھوتری کے ساتھ ساتھ اس کے جسم سے تعلق رکھنے والے سب کام بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ اس لئے کنول کے پھول کسی ٹہنی، ڈنڈی کو بھگوان وشنو کی نابھی (ناف) سے نکلتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یوگ کی اصطلاحات میں نابھی (ناف) کو وشنو چکر کہا گیا ہے۔

انسان کی حفاظت ونگہداشت اُس کی مقوی غذا پر منحصر ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دودھ کو ایک مکمل اور قدرتی غذا مانا گیا ہے۔ دودھ میں ہائڈروکاربن، کاربوہائڈریٹ، نائٹروجن یعنی ہوا کا ایک جزو سے ملے جلے عنصر نعمتِ مادہ سے بھرے ہوئے عناصر اور آب کے علاوہ دوسرے جانبخش عناصر بھی موجود رہتے ہیں جو تندرستی اور صحت کے لئے لازمی ہیں۔ اس لئے بچوں کی پرورش کے لئے ماں کے پستان میں اس کا بندوبست پہلے سے خدا تعالیٰ نہ کیا ہوا ہے۔ سبھی پستان رکھنے والی جاندار چاہے وہ انسان ہوں یا حیوان، ان سب کے بچوں کی پرورش دودھ سے ہی ہوتی ہے بغیر مقوی غذا کے کسی بھی جاندار کی حفاظت نہیں کی جاسکتی! اس لئے دودھ کو مقوی غذا قرار دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بھگوان وشنو، یعنی وہ اللہ، سب کی حفاظت کرتا ہے اور اسے دودھ کے بحرِ اعظم (دودھ کے سمندر) میں دکھلایا گیا ہے۔ دودھ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، برکت، خوشحالی، آسودگی اور افراط کی علامت ہے۔

امن چین اور ہم آہنگی قائم رکھنے کے لئے موت قضا بھی قدرت کے لئے ضروری ہے۔ یہ

کام بھی وہی عالمگیر ایشور ہی کرتا ہے، جسے ہم اس کام کی وجہ سے ''مہیش'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس لئے بھگوان وشنو کی تصویر میں موت اور بربادی کا کچھ اشارہ کیا گیا ہے سانپ موت کی علامت ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مصر (Egypt) کی کچھ قدیم مورتیوں اور تصویروں میں سانپ کو موت کی علامت کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح بھگوان وشنو کی تصویر میں بھی سانپ کو موت کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے اس کے ایک ہزار پھن ہیں، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ موت محض ایک ہی نہیں، بلکہ ہزاروں طریقوں سے آ سکتی ہے۔

اس طرح آپ دیکھ سکتے ہیں کہ قدرت کے تینوں خاص کام۔ کائنات کو ظہور میں لانا یعنی پیدا کرنا، حفاظت کرنا یعنی پالن پوسن کرنا، اور برباد کرنا یعنی ناش کرنا، بھگوان وشنو کی تصویر میں سبھی ایک ساتھ دکھائے گئے ہیں۔ اور اس طرح یہ تصویر ایک عام آدمی کی جانکاری کے مقصد سے علامتی طور پر مندرجہ بالا نقاط بیان کرر ہے ہیں۔

سوال: یہاں پر ایشور کو لیٹا ہوا کیوں دکھلایا گیا ہے جیسے کہ ''وہ'' سو رہا ہو؟

جواب: اس طرز نشست میں آرام کے ساتھ کون سو سکتا ہے۔ وہ شخص جس کو کسی طرح کا رنج وغم اور تناؤ نہ ہو۔ ایشور (اللہ) کو کسی طرح کا رنج وآزار نہیں ہے۔ ''وہ'' کسی بھی تمنا یا آرزو سے بالاتر ہے۔ اس کے اندر کسی طرح کی بے قراری، بے ترتیبی، دقت اور ناخوشی نہیں ہے۔ اس کا کوئی دشمن اور مخالف یعنی برابری کرنے والا نہیں ہے۔ اُس کا کوئی متوازی نہیں ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں ہے یعنی اس کے ہم پلہ اور کوئی بھی نہیں ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ''وہ'' اپنے عالمگیر اتحاد میں مدہوش اور مست ہے اور سب کو اپنی یکتائی وحدت ہم آغوش کئے ہوئے ہے۔ ایک فارسی کا شاعر کہتا ہے:

تن ہستم، تن ہستم، تن ہستم

جب ایشور (اللہ) اکیلا ہے تو اسے کس کی پرواہ ہے؟ اس کو کس بات کی فکر ہے؟

میں اکیلا ہوں، کہیں کچھ نہیں مرے سوا
ذاتِ مطلق میں میرے غیر کا کچھ کام نہیں

میں اکیلا ہوں، میرے علاوہ کچھ نہیں ہے! میری خودمختاری میں کسی دوسرے کا دخل نہیں ہے۔
قرآن بھی کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے ''وہ'' لاشریک ہے۔

''لا الٰہ الا اللہ''

اس کا مطلب ہے کہ ایشور یعنی اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ہے۔ پھر کیوں نہیں ''وہ'' آرام کے ساتھ بےفکر ہوکر سوسکتا ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ آفتاب خود کچھ بھی نہیں کرتا ہے۔ پھر بھی زمین پر تمام زندگیاں سورج کے وجود سے ہی ہے۔ اور اسے سائنس دانوں کے ذریعے بھی قوت کا ایک اکیلا ذریعہ مانا گیا ہے۔

اسی طرح اگر ایشور (اللہ) خود کچھ بھی نہیں کرتا پھر بھی دُنیا کے تمام کام (اُسی) بھگوان وشنو کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں، یہی بیان کرنے کے لئے ''اُسے'' بےفکر ہوکر آرام کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے! وہ عالمگیر ہے اور ''اُسے'' نہ کوئی بےچینی ہے اور نہ کوئی رنج وغم ہے۔ اس لئے ''وہ'' گوشہ نشیں، بےحس وحرکت، باامن اور باآرام نہایت ہی آسودگی کی علامت ہے۔ صرف ''وہی'' اس طرح سے آرام کرسکتا ہے اور سوسکتا ہے۔

برائے مہربانی غور فرمائیں کہ وشنو کی تصویر میں ان کے منہ کے چاروں طرف اگنی چکر کا جلوہ ہے۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایشور (اللہ) نوری ہے۔ اسلامی اصطلاحات کے مطابق یہ چیز ''پُرجلال'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ بھگوان وشنو کے ہونٹوں پر شیریں مسکراہٹ یہ اشارہ کررہی ہے کہ ''وہ'' مالک بےپرواہ، خوداعتمادی سے لبریز، پُرسکون اور شادماں ہے۔ چونکہ یہ انسان اللہ سے ہی پیدا ہوا ہے اور اس کا آخری منزل مقصود بھی ''اُسی میں غرق ہونا ہے۔ اس لئے وہ اس ابدی اور لازوال اور مستقل رہنے والی پُرسکون شادمانی کو حاصل کرنے کے لئے بےقراری سے مشتاق رہتا ہے۔ اس لئے انسان کو جلدی سے جلدی اس کو حاصل کرنے کے لئے یہ ترغیب دی گئی ہے جس کی وجہ سے بھگوان وشنو کو تصویر میں دائم وقائم، لازوال، پُرسکون اور شادماں حالت میں دکھلایا گیا ہے۔

سوال: جب آپ کا ایشور ایک دم اکیلا ہے تو ''اُس کے'' ساتھ ایک حسین عورت کو کیوں دکھایا گیا ہے؟ کیا ہندوؤں کے ایشور کو خوش رکھنے کے لئے اس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت کا ہونا ضروری ہے۔

جواب: نہیں نہیں [illegible] بھگوان وشنو کو خوش رکھنے کے لئے کسی کی ضرورت نہیں

ہے۔ یہ سب ایک علامتی چیزیں ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں بتلایا گیا ہے۔ ایشور ''حق'' ایک ہے ''ستیہ'' ہے ہندوؤں کے مطابق بھی ایشور ''خدا'' ستیہ ہے اور ستیہ ایشور ہے۔ اس لئے ہندو لوگ ست نارائن کی پرستش کرتے ہیں اس پرستش (دعا) کی خاصیت یہ ہے کہ جو شخص یہ پرستش کرتا ہے وہ اپنی زندگی کے ہر قدم پر ستیہ (حق، راستی) کو عمل میں لانے کے لئے وعدہ وفا کرتا ہے، جس سے کہ وہ خوش اور اقبال مندر ہے۔ اب بیش بہا جواہرات اور زیورات سے سجی ہوئی ایک خوبصورت عورت کا کیا مطلب ہے۔ جس کی تصویر میں عالمگیر بھگوان وشنو کے پاؤں دباتی ہوئی اور اس کی سیوا کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے؟ یہ کون ہے؟ ہندوؤں نے اِسے دھن دولت اور خوشحالی کی دیوی ''لکشمی'' کا نام دیا ہے۔ یہ ہمیشہ حق یعنی بھگوان وشنو کے ساتھ رہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جو کوئی بھی الحق خدا یعنی اشور (اللہ) کی پرستش کرتا ہے اور اپنی زندگانی کو راستی سے اور پاک صاف گزارتا ہے، اسے کبھی بھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی ہے اور اس پر لکشمی دیوی کی مہربانی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ مختصراً خوشحالی (لکشمی) سب صفات کے ساتھ ہمیشہ حق سے بندھی رہتی ہے۔ خداپرستی، سچائی، صداقت، نیکی اور پارسائی اور نیک خصلتیں یہ سب اُسی کی علامات ہیں، اس لئے لکشمی کو بطور علامت اس خدا، حق یا صفات کی خدمات کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

ایک بات اور بھی ہے آپ لوگوں نے بزرگوں کو بچوں کو آشیرواد (دعائے خیر) دیتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ وہ اکثر کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ دودھوں نہاؤ! اس کا مطلب یہ ہوا کہ دودھ خوشحالی کی علامت ہے۔ صرف اقبال منداور خوش نصیب شخص ہی دودھ میں نہانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے بزرگوار بچوں کو اسی طرح کا آشیرواد دعائے خیر دے کر ان کی خوشحالی اور آسودگی کی خواہش کرتے ہیں اب آپ برائے مہربانی غور فرمائیں کہ عالمگیر بھگوان وشنو دودھ کے سمندر میں آرام فرمارہے ہیں۔ بحراعظم دودھ کا سمندر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بھگوان وشنو خوشحالی کی علامات ہیں۔ ''وہ'' سب کچھ ہے اور انہیں کسی بات کی کمی نہیں ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ وہ بھی، جو ایشور، عالمگیر وشنو کے ساتھ یکتائی قائم کر لیتے ہیں، وہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ وہ بے حد خوشحالی کا لطف اٹھاتے ہیں جیسے کہ وہ اس خوشحالی کے اُس دودھ کے سمندر میں تیر رہے ہوں اور پوری طرح سے اقبال منداور خوش نصیب ہو گئے ہوں۔

اس کے علاوہ دودھ غیر اشتعال اور پاک خوراک بھی ہے۔ اس لئے اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ ایشور ستو گن یعنی آسودگی اور ہم آہنگی کا بے انتہا ساگر ہے۔

اب مہربانی کر کے غور کریں کہ یہ تصویر ایشور کو جاننے کے لئے صاف طور سے ایک اہم اطلاع دیتی ہے۔ مختصراً یہ تصویر اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایشور بغیر کسی دوسرے کے ایک ہے "وہ" واحد و یگانہ ہے۔ "وہ" بے حد ہے۔ اننت اور عالمگیر ہے۔ "وہ" آسودگی، اخلاص، ارتباط اور ہم آہنگی کا سمندر ہے تمام دنیا میں جو کچھ بھی دکھائی دیتا ہے اس کی بنیادی وجہ "وہی" ہے۔ مطلب ہے کہ برہما کی شکل میں وہ تمام کائنات کو پیدا کرتا ہے، وشنو کی شکل میں "وہ" سب کی حفاظت کرتا ہے اور مہیش کی شکل میں "وہ" سب کو فنا کرتا ہے۔ اگر چہ "وہ" ایک ہے اور ایک ہی ہے۔ "وہ" عین حق، عین علم اور عین سرور کی صورت میں ہے۔ لکشمی، جو دھن و دولت اور خوشحالی کی دیوی ہے، اس کی خدمت کرتی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سبھی لوگ جو حق اور راستی کے ساتھ پاک زندگی بسر کرتے ہیں، انہیں خوشحالی، آسودگی، دھن و دولت اور سکون وقناعت میسر ہوتی ہے، روزِ قیامت کے بعد بھی جب ایشور (اللہ) الگ- الگ صورتوں میں عیاں ہوتا ہے۔ اور اس میں سما جاتا ہے، تب بھی "وہ" ہمیشہ کی طرح موجود رہتا ہے۔ ایک دم اکیلا، سرمست، متوالا، اپنے واحد صورت کے نور میں بے حد آسودگی اور مستقل مزاجی میں مشغول، کیونکہ اُس کے علاوہ کسی دوسرے کی ہستی ہے ہی نہیں، جو اس کا حریف بن سکے۔

جب ہم کسی مشہور و ممتاج اور نامی گرامی کا فوٹو یا تصویر دیکھتے ہیں تو اس کی خاص خصوصیات ہماری آنکھوں کے سامنے فوراً صاف عیاں ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح بھگوان وشنو کی ایک چھوٹی سی تصویر دیکھ کر بھی ہمیں ایشور پوشیدہ، مخفی، غیر مبتدل اور جو بیان نہ ہو سکے اس صورت کی ایک جھلک مل جاتی ہے۔

رام اُمید کرتا ہے کہ بھگوان وشنو کی تصویر کا مطلب اب آپ کی سمجھ میں صاف طور سے آ گیا ہوگا۔ یہ تصویر حق کو ظاہر کرنے کا محض ایک ذریعہ ہے! یہ تصویر آخری منزل نہیں ہے بلکہ حق و راستی کی جانکاری اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ یکتائی قائم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ کوئی تصویر یا مورتی اس مقصد کو حاصل کرنے میں مدد کرتی ہے۔ اس سے آگے کچھ بھی نہیں ہے!

سوال : سوال تھوڑا نازک ہے! ہندو بھگوان شیو کے نام پر مرد اور عورتوں کے اعضاء تناسل کی پرستش کیوں کرتے ہیں؟ کیا یہ بے علمی ہے یا ہندوؤں کی جہالت کی وجہ سے ہے؟ اس کے پیچھے کیا بھید ہے؟

جواب: یہ جہالت و بے علمی نہیں ہے۔ اس کا ایک خاص مقصد ہے۔ یہ ہے جو زندگی کے مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ نہ صرف مسلم بلکہ لاکھوں ہندو لوگ بھی اس علامت کے ذریعہ بیان کی جارہی بات کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی ہندوؤں کے ذریعہ بھگوان شیو کے نام پر کی جانے والی پوشیدہ اعضاء کی عبادت کو غلط مانتے ہیں۔ وہ اس تشبیہ سے بھرے ہوئے یعنی اس تمثیلی بیان کا اصل مدعا سمجھنے میں قاصر ہے۔

سچائی یہ ہے کہ اس دُنیا میں ہر ایک شخص کامرانی کا مشتاق ہے۔ وہ اس کامرانی کو اپنی بیوی اور بچوں کے ذریعہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے! کبھی کبھی وہ سوچتا ہے کہ وہ ذ ن و دولت کے ذریعہ سے کامرانی کو حاصل کرلے گا کبھی کبھی وہ اس خوشی، سکھ اور کامرانی کو حاصل کرنے کے لئے شہرت، بزرگی، ہردلعزیزی، نیک نامی اور شان وشوکت کو حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام زندگی کو داؤ پر لگا دیتا ہے، اس کے لئے وہ کسی ایک چیز پر اپنی پکڑ جماتا ہے اور پھر جب اُسے ناکامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسری چیز پر اپنی پکڑ جماتا ہے اور جب اسے اس سے بھی حقیقی مسرت نہیں ملتی تو اسے بھی وہ پست ہمت ہوکر چھوڑ دیتا ہے۔ اسے ہر جگہ پریشانی ہی پریشانی نظر آتی ہے۔ وہ خود کو خوشی اور شادمانی حاصل کرنے کے لئے، عورتوں کے جال میں اور شراب اور دھن و دولت میں پھنسا لیتا ہے مگر وہ وہاں بھی بری طرح سے نا اُمید ہو جاتا ہے۔ اُسے خوشی، مسرت اور شادمانی کہیں بھی نہیں ملتی ہے، درحقیقت وہ صرف آنند (دائمی استمراری) چاہتا ہے، دوسرا کچھ بھی نہیں۔ وہ بھی تبدیل نہ ہونے والا۔ ناپائیدار اور یک روزہ کبھی بھی نہیں ہونا چاہئے۔ مگر اس لاچار کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سچا آنند (لازوال مسرت) مادی چیزوں سے کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے اگر انسان قدیمی اور حقیقی لازوال شادمانی کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے ایشور (اللہ) میں ہی مل سکتی ہے جو خود عین حق، عین علم اور عین سرور ہے، ''وہ'' بے حد، دائمی اور فرحت کا اصل چشمہ ہے اور اس طرح سے ''ستیہ'' حق کو پانا انسانی زندگی کا آخری منزل مقصود ہے

مگر ایک عام انسان کے لئے اس مادی دنیا میں شہوت پرستی ہی اس کی از حد تسکین اور خوشی وکامرانی کی علامت ہے۔ ایک شخص اپنی حیوانی شہوت پرستی کا لطف حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی قربانی کرسکتا ہے۔ دنیاداری کے نقطہ نظر سے ایک شخص کے لئے یہ شہوت انگیز کارنامہ بہت ہی آنند (کامرانی) کا موضوع ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو اس دنیا میں کائنات کی ولادت کا اب تک خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ شیولنگ میں مرد اور عورت کے پوشیدہ حصوں کو ربط ضبط کارروائی میں دکھایا گیا ہے، اس کا مطلب انسان کو اس کی زندگی کے مقصد کی یاد دلانا ہے۔ اور وہ مقصد ہے مستقل آنند (خوشی-کامرانی) جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں، شہوت کا یہ انتہائی درجہ عارضی اور صرف چند لمحہ کے لئے ہے۔ مگر انسانی زندگی کا آخری منزل مقصود اس فنا ہو جانے والے یک روزہ اور محض چند لمحہ کے لئے آسودگی یا تسکین حاصل کرنے کا نہیں ہے۔

انسانی زندگی کا تو مطلب ہے اس لامحدود دائمی اور لازوال مسرت اور شادمانی کو حاصل کرنا۔ اس لئے جو بھی اس شہوت انگیز عارضی، چند روزہ آنند (مسرت) کے آفت رسیدہ لالچ میں پھنسے گا، اس کا جسمانی، قلبی اور روحانی خاتمہ ہونا ضروری ہے۔ اس لئے شہوت متعلق بہ مرد و زن اس شیولنگ (Shivalingam) کے ساتھ ہمیشہ ایک سانپ دکھلایا جاتا ہے یہ انسان کو ایک آگاہی ہے کہ اگر وہ اس عارضی اور چند لمحہ لذت کو غیر واجب اہمیت دیتا ہے تو اس کی قبل از وقت موت لازمی ہے۔ اس لئے انسان کو اپنی شہوت پرستی اور شہوانی حرکتوں پر قابو رکھنا چاہئے۔

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ لوگ جنسی ہیجان کو قابو میں کرنے کے لئے ٹھنڈا پانی پیتے ہیں اور اپنے ولولہ کو دبانے کے لئے اپنے عضو (لنگ) پر بھی ٹھنڈا پانی ڈالتے ہیں۔ اس طرح ان کی یہ جنسی ہیجان ٹھنڈی ہو جاتی ہے آپ نے غور کیا ہوگا کہ شیولنگ کے ٹھیک اوپر ایک مٹی کا برتن لٹک رہا ہوتا ہے جس کی تلی میں ایک چھوٹا سا چھید ہوتا ہے جس سے ہو کر شیولنگ پر پانی کی بوندیں ٹپکتی رہتی ہیں اس کا مقصد آپ کو یہ بتانا ہے کہ آپ اپنی شہوت پرستی پر قابو رکھیں ورنہ لازمی طور سے آپ کو موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ جب بھی ہندو لوگ مندر میں جاتے ہیں تو دیوتا کو پرساد یا تبرک کی شکل میں پیش کرنے کے لئے اپنے ساتھ کچھ مٹھائی وغیرہ لے جاتے ہیں، مگر بھگوان شیو کے مندر میں جاتے وقت وہ شیو جی کو پیش کرنے کے لئے اپنے ساتھ مٹھائی نہیں لے جاتے بلکہ وہ اپنے ساتھ

پانی سے بھرا ہوا ایک لوٹا اگر ہو سکے تو گنگا جل، شیولنگ پر چڑھانے کے لئے لے جاتے ہیں۔ یہ شہوت پرستی کو ختم اور شانت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ شیولنگ زندگی کے اونچے مقصد کی یاد دلاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے شیوتو یعنی مستقل آسودگی اور خوشی کو حاصل کرنا۔

سنسکرت زبان میں شیو کا مطلب ہے "کلیان" بے حد، دائمی لازوال استمراری اور شادمانی ہماری بھلائی۔

سوال: کیا یہ تفصیل سے بیان کیا ہوا طریقہ ناشائستگی، بے ادبی اور بداخلاقی کو ظاہر نہیں کرتا ہے؟ آپ اس بارے میں کیا سوچتے ہیں؟

جواب: کسی بھی چیز کی اچھائی یا برائی سمجھنا انسان کے باطنی انداز پر منحصر ہے۔ ہم جن چیزوں کو بے لطف پاتے ہیں یا اس سے نفرت کرتے ہیں، سائنس داں انہیں چیزوں میں سے کارآمد عناصر نکال لیتے ہیں۔

جسے آپ بداخلاق بتارہے ہیں اس کا مدعا ہے صرف انسانی ارتقاء شہوت پرستی کے عارضی لطف، مسرت کی طرف اشارہ کرکے اس کے ذریعے سے، انسان کو اس کی زندگی کے سچے منزل مقصود اور لازوال یا بے حد دائمی شادمانی کی یاد دلائی جاتی ہے ایشور نیک صفات کی شکل میں مجسم ہے۔ اس لئے اس کے انکشاف یا اس کی کائنات میں کسی طرح کی ناشائستگی اور بے ادبی کا سوال ہی نہیں اٹھتا، ایشور (اللہ) کی بے نقص اور بے عیب تدبیر و منصوبہ کے تحت تمام مخلوقات کی از سر نو پیدائش کے لئے عضو کا نمودار ہوا ہے۔ یہ عضو نہ محض جانداروں میں پائے جاتے ہیں، بلکہ پیڑ پودوں میں بھی پائے جاتے ہیں، ان وضوؤں (Organs) کی کمی سے زمین پر شرشٹی (کائنات) کا کام ختم ہو جائے گا۔ اس میں کچھ بھی ناشائستگی، بے ادبی اور بھدا پن نہیں ہے۔ یہ سب قدرتی اور عالمگیر ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ کسی بچے کو آسمان میں کوئی تارا دکھلانے کے لئے کسی نہ کسی مادی چیز کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور پھر بچے سے کہا جاتا ہے۔ "دیکھو! یہی وہ تارا ہے، جسے تم دیکھنا چاہتے تھے، اسی طرح عام طور پر ایشور (اللہ) کے بارے میں عشق کی تشریح کرنے کے لئے دنیاوی عشق کی مثال دی جاتی ہے۔ ایک اُردو شاعر کہتا ہے:

خدا یاد آ گیا مجھ کو بتوں کی بے نیازی میں
ملا بامِ حقیقت زینۂ عشقِ مجازی میں

تشریح :معشوق کی ایمانداری اور سچائی کو دیکھ کر مجھے اللہ کی یاد ہو آئی۔اس لئے دنیاوی عشق سے ناامید ہو کر میں نے اس اللہ تعالیٰ میں ہی سچی محبت و عشق پیدا کرلیا۔

شیولنگ (Shivalingam) کے ذریعہ آپ کو اصلی اور دائمی آنند (فرحت) کی یاد دلانے کے لئے اس عارضی خوشی کو بیان کرنے کے لئے اس کا سہارہ لیا گیا ہے۔اللہ نے اس زمین پر از سر نو پیدائش یعنی نسل پیدا کرنے کا طریقہ لگاتار چلاتے رہنے کے لئے عالمگیری روپ سے یہ عضو میسر کئے ہیں اس پر ناشائستگی کا تصور انسان کے ذریعہ اس کی اپنی فطرت کے مطابق محسوس کیا جاتا ہے،جسم کے سبھی انگوں،اعضاء کی ایک جیسی اہمیت ہے،اُس کا اچھا یا برا استعمال ہی اسے اچھا یا برا بناتا ہے۔

سوال:مگر ہم کسی چیز کے اچھے یا برے استعمال کو کیسے ظاہر کریں؟

جواب :وہ سبھی اعمال جو ہماری ترقی میں مدد کرتے ہیں یعنی ہمارے صعود (Evolution) میں مدد کرتے ہیں وہی صحیح اور نیک خصلت کے ہیں اور دوسرے وہ اعمال جن سے انسان کا زوال یا جو اس کی ترقی میں رکاوٹ پڑتی ہے وہ چھوڑنے کے لائق ہیں۔وہ غیر مہذب اور گناہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں اونچا اٹھنا،آگے بڑھنا یا ترقی کرنا ہی نیک خصلت اور وصف ہے اور پیچھے کی طرف مائل ہونا،تنزل پر پہنچنا اور زوال ہونا ہی پاپ ''گناہ'' ہے۔

کسی بھی کارروائی کا صحیح ڈھنگ سے کرنا وصف یا پارسائی ہے اور اسی کارروائی کا غلط طریقے سے استعمال کرنا پاپ یا گناہ ہے۔مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی کی جائداد ہتھیانے یا بدلہ لینے کے مقصد سے اس کو قتل کر دیتا ہے،تو اس میں اس کی خود غرضی چھپی ہونے کی وجہ سے یہ پاپ یا گناہ ہے۔مگر جب وہی شخص بندوق کی مدد سے اپنے ملک کی حفاظت کے لئے کسی حملہ آور لشکر کے سینکڑوں سپاہیوں کو قتل کر دیتا ہے تو وہ ثواب ہے کیونکہ یہ بے غرض عمل ہے اور ایک اعلیٰ مقصد کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

آیئے اب آپ کی ہی تواریخ سے دوسری مثال دی جاتی ہے۔آپ برائے مہربانی یاد

کریں کہ ایک مذہبی عداوت میں، ایک دفعہ حضرت علیؓ کی ایک مخالف سے لڑائی ہوگئی۔ حضرت علیؓ نے اسے میدان جنگ میں زمین پر گرا دیا اور وہ اس کی چھاتی میں چھرا بھونکنے ہی والے تھے کہ حضرت علیؓ کے مخالف نے ان کے منہ پر تھوک دیا۔ حضرت علی اُسے ایک دم سے چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ شکست خوردہ شخص کو اس پر ایک عجیب وغریب حیرانی ہوئی اور جب اس نے علیؓ سے اس طرح سے اُس کی زندگی بخشنے کی وجہ پوچھی تو حضرت علیؓ کا جواب صحیح معنوں میں اسلام شرع یا شریعت کے اصولوں کے بالکل مطابق تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ جو اُس کا قتل کرنے جا رہا تھا اس میں ان کا کوئی نجی سوارتھ (خودغرضی) نہیں تھا۔ مگر جب اس نے ان کے یعنی حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا تو فوراً خودی کی عداوت بھڑک اٹھی۔ اگر وہ (حضرت علیؓ) غصہ میں آ کر اس وقت اس کا قتل کر دیتے تو ان کے ذریعہ کیا گیا یہ فعل اسلام کے اصولوں کے مطابق ایک گناہ ہوتا۔ یہ سن کر علیؓ کے مخالف کی دین اسلام کے متعلق جو ان کے دل میں برے خیالات تھے اُن سب کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور اس نے بے قراری سے فوراً اسلام مذہب کو اپنا لیا۔ اس لئے آپ دیکھیں گے کہ کوئی بھی عمل اگر بے غرضی سے کیا جائے تو وہ عمل یا فعل ٹھیک ہے اور اسی طرح اگر عمل خودغرضی سے کیا جائے تو وہ فعل غلط ہے۔ جتنی ہی زیادہ خودغرضی ہوگی، اتنا ہی بڑا گناہ ہوگا اور جتنا ہی بے غرضی سے کیا گیا عمل ہوگا۔ اُتنا ہی بڑا ثواب ہوگا۔ اس لئے کسی بھی عمل کا اچھا یا برا استعمال کرنا انسان کی بے لوث (بے غرضی) اور خودغرضی پر منحصر ہے۔

یہاں آپ کو یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ کسی کا فلسفہ (منطق) کسی فرقہ کا رسم ورواج اور ان کا برتاؤ یا چال چلن کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے آپ کو ان کے ہی نقطہ نظر سے دیکھنا ہوگا۔ ورنہ اگر آپ تعصب آمیز نظر ڈالیں گے تو آپ صحیح معنوں میں اس کا مطلب سمجھنے میں ناکامیاب رہیں گے۔ عیسائیوں میں سولی (Cross) کے لئے بہت زیادہ تعظیم وعقیدت ہے۔ مگر غیر عیسائیوں کے لئے یہ محض ایک لکڑی کا ڈھانچا ہے۔ مسلم لوگ کعبہ میں رکھے گئے کچھ پتھروں کو حجر اسود کہتے ہیں بہت تکریم وتعظیم دیتے ہیں۔ مگر غیر مسلمان لوگوں کے لئے وہ محض پتھر کے عام ٹکڑے ہیں، جن کی پرستش دولت کی پرستش کے برابر ہے۔ عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ مسلم لوگ فقیروں کے مزاروں پر پھول چڑھاتے ہیں اور پھولوں سے لپٹی ہوئی چادر بھی چڑھاتے ہیں۔ مسلم لوگ قبر پر اگربتیاں

بھی جلاتے ہیں اور عطر وغیرہ بھی چھڑکتے ہیں۔ مگر غیر مسلمانوں کی نگاہ میں یہ محض قبر کی پرستش کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ مسلمان لوگ اپنے مرحوم امام حسین کی یاد میں کاغذ کا مقبرہ یا تعزیہ بناتے ہیں اور اس کے سامنے چھاتی پیٹ پیٹ کر افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ غیر مسلمان اسے کاغذ کی یا تعزیہ کی پرستش یا دعا کہہ کر اسے موقوف کر دیتے ہیں، مگر مسلم لوگوں کے نقطہ نظر سے یہ بالکل صحیح اور واجب ہے، یہی بات شیولنگ (Sivling) کے ساتھ بھی ہے اس پر ہندو لوگ از حد خوشی ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ خیال غیر محسوس اور دقیق ہونے کی وجہ سے ٹھوس ثبوت میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کی اس سب سے بڑی خوشی یا مسرت کے لئے شہوت کی شیولنگ کے ذریعہ سے ہی تشریح کی جا سکتی ہے۔ اگر چہ وہ صرف عارضی خوشی کی طرف اشارہ کرتا ہے، تاہم اس کے ذریعہ سے ہندوؤں کو زندگی کا سب سے بلند یعنی لازوال اور دائمی آنند (فرحت) کی یاد دلائی جاتی ہے مگر غیر ہندو لوگ اس کا غلط مطلب نکال سکتے ہیں۔ کسی بھی مسئلہ کے بارے میں جو دوسروں سے تعلق رکھتا ہے ان کے نقطہ نظر کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہی نتیجہ تک پہنچا جا سکتا ہے، ورنہ آپ کبھی بھی اسے ٹھیک سے نہیں سمجھ پائیں گے۔

یہ جو شیولنگ (Shivling) کا تمثیلی قصہ بیان کیا گیا ہے اس کا صرف ایک ہی مدعا ہے کہ انسان کو عارضی شہوت پرستی سے کسی حد تک باز رکھنا اور لازوال، غیر فانی اور دائمی فرحت یا مسرت کی یاد دلانا۔ یہ اصلی خوشی، مسرت ہی خود برہم (خدا) ہے، جو دیوں کا دیو ہے یعنی فرشتوں کا فرشتہ ہے۔ مہادیو، ایشوروں کا ایشور، مہیشور ہے۔ ''وہی'' سب کچھ ہے۔ ''وہ'' شیو ہے اور صرف ''وہی'' مستقل شانتی اور آنند کا فائدہ بخشنے میں مددگار ہو سکتا ہے اور صرف وہی ہم سب کا منزلِ مقصود ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں خدا کا دیدار ہوتا ہے۔ صوفی مسلمان اسے ''عین الیقین'' یا ''فنا فی اللہ'' یا اللہ میں غرق ہو جانا کہتے ہیں۔

سوال: برائے مہربانی ہمیں اس پائدار، مستقل اور ہمیشہ قائم رہنے والے آنند، خوشی، فرحت (مسرت اور شادمانی) کو حاصل کرنے کا طریقہ بتلائیں۔

سوامی جی کا جواب: عزیز ساتھیو! یہ بات محض سمجھنے کی نہیں ہے بلکہ اپنی زندگی میں عمل میں لانے کی ہے۔ اس کے لئے عمل میں لانے کی جتنی آپ کے دل میں راست بازی، صدق دلی اور سنجیدگی یا سرگرمی ہوگی، اُتنی ہی زیادہ آپ کو کامیابی حاصل ہوگی۔ صرف ایک اللہ ہی ازلی اور

لازوال استمراری کا بھنڈار ہے۔ اگر آپ اپنے آپ میں اللہ کی موجودگی محسوس کرو گے یا اس اللہ تعالیٰ کو اپنے آپ میں قائم کرنے کے لئے کامیاب ہو جاؤ گے تو پھر آپ کسی بھی چیز کو با آسانی حاصل کر سکو گے۔

اب سوال یہ ہے کہ اسے کیسے کیا جائے! یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ اللہ پہلے سے ہی آپ کے جسم کے ہر ذرّہ - ذرہ میں موجود ہے۔ آپ کو پوری طرح سے معلوم ہے کہ وکاس، ترقی (Evoluton) یعنی صعود کے الگ الگ درجوں میں الگ الگ لوگوں کو کوئی مسئلہ سمجھانے کے لئے مختلف طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ اگرچہ قرآن شریف میں یہ صاف کہا گیا ہے کہ اللہ عالمگیر ہے، پھر بھی ایک عام مسلم یہ سمجھتا ہے کہ اللہ آسمان میں اونچی جگہ پر کہیں راج گدی پر بیٹھا ہے۔ مگر سچائی یہ ہے کہ ''وہ'' سب کہ دل میں موجود ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

دل کے آئینے میں یہ تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اللہ کی تصویر سب کے دل میں ہے۔ آپ جب چاہیں جھانک کر ''اُسے'' دیکھ سکتے ہیں! اس کے باوجود آپ ''اسے'' نہیں دیکھ پاتے ہیں کیونکہ آپ کا دل آپ کی خود غرضی، تنگ نظری، غیر شفاف اور خودی کی وجہ سے میلا اور گنہگار ہو چکا ہے۔ آپ کی اس محدود خودی کی وجہ سے دنیا کی کروڑوں خواہش آپ کے دل میں ہلچل پیدا کر رہی ہے۔ آپ کو صرف اس محدود خودی کو ہی اللہ کی عالمگیر روح میں غرق کر دنیا ہے۔ آیئے پھر ایک اُردو کے شعر کا حوالہ دیں:

فنا بغیر بقا کا پتہ نہیں چلتا
خودی بغیر مٹائے خدا نہیں ملتا

اپنے آپ کو یعنی اپنی خودی کو فنا کئے بغیر حیاتِ ابدی حاصل نہیں ہوتی۔ اس طرح جب تک آپ اپنی خودی کا پوری طرح ناش نہیں کر دیتے، اس اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کی اپنی خودی آپ کی ترقی کے راستہ کا باعث خطا ہے۔ اس لئے خود غرضیانہ خودی کو اللہ میں غرق کر دیجئے۔ اس سے زیادہ آپ کو کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ جب اللہ آپ کے جسم، دماغ اور عقل کے ساتھ کائنات کے ہر ایک ذرّہ ذرّہ میں موجود ہے۔ تو الگ سے آپ کے اہنکار (خودی) کی ہستی کے لئے جگہ ہی کہاں بچتی ہے؟

اس لئے آپ کو اپنا نکلی اور جھوٹا اہنکار (خودی) تکبر و غرور، نمائشی شان و شوکت، خود غرضی، خدا سے علیٰحدگی کا خیال یہ سب چھوڑ کر اللہ کے ساتھ یکتائی میں غرق کر دینا ہوگا۔ اللہ کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے۔ یہی عیسائیوں کا اصل پاک راز و نیاز ہے، صوفی مسلمانوں کا فنا فی اللہ، بودھوں کا نروان اور ہندوؤں کی مکتی ہے۔

اگر آپ "اس کی" عالمگیری کے باوجود بھی "اُسے" دیکھ نہیں پاتے تو شروع میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ کم سے کم "وہ" آپ کو دیکھتا ہے اگر آپ صرف اس اصلیت کو یاد رکھیں تو آپ ہزاروں جرم اور گناہوں سے بچ جائیں گے وہ آپ کی ضروریات اور مجبوریوں کو اچھی طرح سے جانتا ہے اور ان کے بارے میں واقفیت بھی رکھتا ہے۔ اگر آپ پوری عقیدت اور یقین کے ساتھ "اُسی" کی عبادت کرتے ہیں، تو "وہ" یقیناً آپ کی تمام ضروریات پوری کرے گا مگر یہ بڑے دُکھ اور افسوس کی بات ہے کہ آپ "اُسے" لگاتار بھولتے جاتے ہو جس عالم الغیب عالمگیر اللہ کی ہمیشہ آپ پر نظر رہتی ہے۔ اگر اصلیت میں آپ "اُس کے" تعلق میں رہنا چاہتے ہیں یا ملنا چاہتے ہیں تو ایسا کرنے کے لئے آپ اپنے میں سچی خواہش اور اضطراب پیدا کریں۔ سچائی تو یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی (بیگم) اور بچوں پر جتنا دھیان دیتے ہیں، اُس کا آدھا دھیان بھی آپ "اُس" پر نہیں دیتے! یعنی جتنی محبت آپ اپنی بیوی اور بچوں سے کرتے ہیں اس سے آدھی محبت بھی خدا سے نہیں کرتے۔

اگر آپ "اس کی" شفقت یا عنانیت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان الگ الگ موقعوں کو یاد کیجئے کہ جب جب "اُس" نے آپ پر نظر عنایت کی ہے اور سچائی اور از حد شفقت کے ساتھ "اُس" سے ملنے کی اپنے دل میں بے قراری پیدا کیجئے۔ اگر آپ کعبہ یا حج کے لئے خشک زمین کے راستہ سے جاتے ہیں تو آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ کے لئے "اُس کے" واسطے عبادت کے سمندری راستہ سے جانا زیادہ آسان ہوگا!

اللہ کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیجئے آپ پوری طرح اُسی کے ہو جایئے! شروع شروع میں آپ کہہ سکتے ہیں "میں اس کا ہوں" کیونکہ آپ "اُسے" آمنے سامنے نہیں دیکھ سکتے! مگر جب آپ کی "اس کے" ساتھ پریم، بھگتی (عشق-محبت) بڑھ جائے گی۔ تب آپ "اُس کی" موجودگی اس طرح سے محسوس کرنے لگیں گے جیسے کہ آپ اور "وہ" آمنے سامنے ہوں، تب آپ "اُسے"

بلاتغیر یکساں اور الالدوام کی حیثیت سے ''میں تمہارا ہوں'' کہہ کر مخاطب کرو گے! اگر چہ آپ اُس کی موجودگی کا احساس کریں گے، پھر بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو اس سے الگ سمجھیں۔

مگر آہستہ آہستہ جب آپ کی روحانیت اور زیادہ ترقی کر جائے گی اور جب آپ کے دل میں پوری طرح عقیدت اور اعتقاد ہو جائے گا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور سب کے دلوں میں بھیتر قائم- دائم ہے۔ اور ''وہ'' آپ کے جسم کے ہر ایک ذرّہ ذرّہ، دل دماغ اور عقل میں موجود ہے، تب آپ کو اس کے ساتھ یکسانیت کی موجودگی کا یقین ہوگا۔

ایک ہندوستانی شاعر (کوی) کہتا ہے:

میں تو ہوا، تو میں ہوا، میں تن ہوا، تو جان ہوا

جس سے نہ پھر کوئی کہے، میں اور ہوں، تو اور ہے

میں ''وہ'' ہوں اور ''وہ'' میں خود ہوں! میں جسم ہوں اور ''وہ'' روح ہے۔ ہم ایک ہیں اور اب کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ وہ کسی بھی طرح سے مجھ سے جدا ہے۔

روحانی ترقی کے اس دور میں آپ وہ ہیں جو ایشور (اللہ) ہے اور ایشور (اللہ) وہ ہے جو آپ ہیں۔ آپ کا الگ ہونے کا خیال اب اُسی میں غرق ہو چکا ہے، ٹھیک اُسی طرح جس طرح پانی میں پانی مل جاتا ہے یعنی پوری طرح غرق ہو جاتا ہے! آپ کو کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ اب ''میرا اور تیرا'' جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ دوہراپن کی تمام خواہشات علم کی آتش میں خاک ہو چکی ہیں۔ جب ہمارا اللہ کے ساتھ ایکتا قائم ہوگئی تو ہم اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ ایک طرح سے ہم عین حق، عین علم اور عین سرور ہو جاتے ہیں، کسی طرح کی افسردگی، پریشانی، بے چینی یا ملامت اور تکلیف نہیں رہتی، پھر تو شانتی، قناعت، تسکین، خوشی اور مسرت ہی رہ جاتی ہے۔

سوال: سوامی جی! آپ بار بار کہہ رہے ہیں کہ چونکہ ویدانت کے مطابق ہم سب ایک ہیں، ہمیں سب کو اپنے جیسا سمجھنا اور سب سے محبت کرنی چاہئے۔ کیا ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس اصول کو عمل میں لا سکتے ہیں؟

جواب: کیوں نہیں! اگر انسان صاف طور سے سمجھتا ہے کہ اللہ ہی سب کچھ ہے، تب پھر کون کس کا دوست رہ جاتا ہے اور کون کس کا دشمن؟ وہ سبھی اللہ کے ساتھ ایکتا کے بندھن میں بندھے

ہوئے ہیں۔ وہ سبھی جو اس احساس کی اونچی سطح پر پہنچ گئے ہیں، اللہ کے ساتھ یکتائی محسوس کرتے ہیں اور اُسی کے مطابق اپنے تمام اعمال عمل میں لاتے ہیں، تب کوئی دوسرا نہیں رہ جاتا آپ اس کو عمل میں لائیں اور اسے اپنی زندگی میں محسوس کریں اور آپ خود دیکھیں گے کہ سبھی ایک ہیں۔

تم میرے پاس ہوتے ہو، گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا (مومن)

سوال: وہ کیا کریں، جنہیں ابھی اس اونچی منزل کی محسوسات نہیں ہوئی ہے؟ کیا وہ چپ چاپ لٹیرے اور ڈاکوؤں کے سامنے اپنے آپ کو سونپ دیں؟ کیا انہیں کسی بدمعاش اور گنڈے کے علاقہ میں پھلنے، پھولنے دینا چاہئے؟ کیا انہیں کسی ستمگر اور جابر آدمی کے ظلموں کو چپ چاپ برداشت کرنا چاہئے؟ اس کے متعلق آپ کا ویدانت کیا کہتا ہے؟

جواب: جو ترقی کر کے اس اونچی منزل کو محسوس کرتا ہے اور روحانیت میں ترقی کر کے درجہ بہ درجہ یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ اس کے لئے نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی دشمن ہے، اس کے لئے سب ایک جیسے ہیں۔ ایک شخص کی کسی دوسرے شخص کے ساتھ دشمنی نہیں ہوسکتی۔ اگر کسی طرح سے کوئی اس کا دشمن ہے تو اتنی ترقی یافتہ روحانی روح کے ساتھ اس کی دشمنی ایک لحہ بھی نہیں قائم رہ سکتی۔ مگر جو شخص ابھی اس اونچی سطح تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ ان کو لگاتار کوششیں کر کے یہاں تک پہنچنا چاہئے۔ پہلی جماعت کے ایک طالبِ علم کے لئے یہ سب سے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے قدم بہ قدم آگے بڑھتا رہے۔

اگر انسان یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ ایشور (اللہ) ہے تو وہ کم سے کم اتنا تو منظور کرسکتا ہے کہ ایشور (اللہ) عالم گیر ہونے کے باعث اُس میں بھی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کہ "وہ" دوسروں میں بھی ہے۔ ایک انسان کے لئے شروع شروع میں محض یہی سمجھ لینا ہی کافی ہے۔ جب یہ خیال اُس کے دل ودماغ میں گہرائی سے جڑیں جمالے گا تو وہ ہر جگہ پر اللہ کو دیکھنا شروع کردے گا اور تب وہ اپنے تمام دنیاوی رسوم کی ادائیگی خدا پرستی کے سایہ میں کرنے لگے گا۔

اس طرح وہ سب سے اپنے جیسا پریم ومحبت کرنے لگے گا۔ چاہے وہ دشمن ہو یا دوست ہو۔ آہستہ آہستہ کر کے اس کے دل میں نفرت کی نگاہ ختم ہوجائے گی۔ اس حالت میں آ کر اُس کی خودی کا مسلسل زوال ہوتا جائے گا اور بغیر کسی نتیجے کی پرواہ کئے یعنی کسی کام سے اجر وانعام کی توقع نہ

رکھے اور سب دنیاوی کام فی سبیل اللہ کرے۔ اس طرح وہ اپنے سب فرائض بجالائے گا۔

پیارے دوستو! ویدانت کو غلط نہ سمجھیں۔ چونکہ یہ قدرت کے اصولوں پر قائم ہے، اس لئے اس میں کوئی نقص نہیں ہوسکتا۔ ویدانت کے مطابق تمام کائنات (مخلوقات) کی تشبیہ انسانی جسم سے کی جاسکتی ہے۔ ہندی زبان میں ایک کہاوت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس جسم میں جو کچھ موجود ہے وہی تمام مخلوقات میں ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ انسانی جسم قدرت کے قانون کے مطابق رفتہ رفتہ بڑھتا ہوا ظاہر ہوتا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ انسانی جسم میں الگ الگ حصے اور جزو ہیں جیسے ہاتھ، پیر، سر، دھڑ وغیرہ وغیرہ دیکھنے میں یہ حصہ ایک دوسرے سے الگ ہیں، پھر بھی ایک ہی جسم کا حصہ ہونے کی وجہ سے یہ ایکتا کے دھاگے میں بندھے ہوئے ہیں یعنی باہم ایکا کر کے ایک ساتھ ملے جلے ہیں۔ آپ نے اس بات پر بھی غور کیا ہوگا کہ جب پاؤں کے تلوے میں ایک چھوٹا سا کانٹا لگ جاتا ہے، تو اوپر رہنے والا سر نیچے کی طرف جھک کر دیکھتا ہے کہ کانٹا کہاں ہے۔ کانٹا لگنے کی وجہ سے تمام جسم تکلیف محسوس کرتا ہے اور اس تکلیف کی جگہ پر سے کانٹا ہٹانے کے لئے فوراً ہاتھ وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح جسم کے دوسرے عضو بھی ہیں، جیسے آنکھیں، ناک کان، پیٹ، دل، کلیجہ، جگر وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم کی حیات جانداری کی قوت اس بیماری کو ٹھیک کرنے کے لئے اور تکلیف کو دور کرنے کے لئے ایک ہو کر لگ جاتی ہیں، اگر کوئی چیز آنکھ میں پڑ جاتی ہے تو اندرونی حیات جانداری اسے آنسوؤں کے ذریعے دھو کر باہر نکلنے کو مجبور کر دیتی ہے۔ اگر آپ کی خوراک کے ذریعہ کوئی خراب چیز آپ کے پیٹ میں پہنچ جاتی ہے۔ تو الٹی (استفراغ) یا جلاب کے ذریعہ سے باہر نکال دی جاتی ہے۔ اگر آپ کا خون خراب، ناپاک یا آلودہ ہو جاتا ہے تو اس مرض کی حالت میں پھوڑا، پھنسی یا دھبل کی شکل میں قدرت اپنے آپ چھٹکارا دلا دیتی ہے، جس سے کہ جسم صحت یاب اور باقاعدہ طور سے رہ سکے۔

آپ نے کبھی۔ کبھی غور کیا ہوگا۔ جب جسم کے کسی عضو یا کسی حصہ کی بیماری لاعلاج ہو جاتی ہے اور کوئی دوا اثر نہیں کرتی تو اس کا زہر جسم کے دوسرے حصوں میں پھیلنے سے بچانے کے لئے اُس حصہ کو طبیب چیر پھاڑ کر نکال دیتا ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جب کسی بچے کے جسم پر کوئی بڑا پھوڑا نکل آتا ہے تو یا تو اس کی ماں اس پر گرم پانی کی سینک دے کر صحت بخش ملہم لگا کر

اسے دبانے کی کوشش کرتی ہے اور اگر کسی طرح سے یہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے تو ماں اپنے پیارے بچے کو چیر پھاڑ کرنے والے جراح (طبیب) کے پاس لے جاتی ہے۔ ماں اپنے بچے سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے اور اچھی طرح سے جانتی ہے کہ اس چیرا پھاڑی کے دوران زیادہ درد و تکلیف کی وجہ سے بچہ خوب چلّائے گا پھر بھی وہ جراح کو نشتر کا استعمال کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ جس سے کہ اس کا بچہ دوبارہ با قاعدہ طور سے پھوڑے کا مواد نکلنے سے صحت یاب ہو سکے۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب ایک شخص کینسر (ناسور) یعنی گوشت کی سڑن، داد وغیرہ سے، اپینڈ یسائٹس یعنی ضمیمہ وغیرہ سے دُکھ، درد یا تکلیف محسوس کرتا ہے اور جب تمام علاج ناکام ہو جاتے ہیں، تب وہ جراح یا طبیب سے جسم کے دوسرے حصوں کو نقصان سے بچانے کے لئے جسم کے گلے سڑے عضو کو نکلوا دیتا ہے۔ اس کا خاص مدعا اپنے جسم کو صحت یافتہ اور ٹھیک ٹھاک رکھنا ہوتا ہے۔ مریض بھی اپنا جسم باقاعدگی سے تندرست رکھنے کے لئے طبیب کے ساتھ پوری طرح سے متفق ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اُس کے ہاتھوں اور پیروں کے بھی اعضا کاٹ کر الگ دینے پڑتے ہیں جس سے کہ وہ بالکل ٹھیک ہو کر ہشاش بشاش اپنی زندگی گزار سکے۔

جس طرح جسم کے مختلف اعضا ایک روح ہونے کے باعث ایک دھاگے میں بندھے ہوئے ہیں بالکل ٹھیک اُسی طرح ایک فرقہ، ایک ملک یا تمام جہاں کے جیو بھی ایک دوسرے سے الگ دکھائی پڑتے ہوئے بھی یکتائی کے دھاگے میں بندھے ہوئے ہیں۔ ایسا سب جگہ موجود، سب میں سرایت یعنی پیوست ہوا عالمگیر روح یا اللہ کی وجہ سے ہے۔ الگ - الگ معلوم ہونے والے جیوؤں یعنی ہر فرد کی تشبیہ جسم کے الگ الگ اعضا سے کی جاسکتی ہے۔

اب آپ برائے مہربانی یہی اصول اپنے علاقوں، فرقہ یا ملک پر عائد کر کے دیکھیں اور سرگرمی سے کام کریں!

پیارے دوستو! اگر آپ کے علاقہ کا کوئی شخص گنڈا گردی کرنے لگتا ہے یا خراب چال چلن کا ہو جاتا ہے۔ لڑکیوں کو پریشان کرتا ہے یا بھولے بھالے لوگوں کو دھمکاتا یا تنگ کرتا ہے، تو یہ آپ کا اوّلین فرض ہو جاتا ہے۔ کہ آپ نیک صلاح اور شائستگی اور مہذب طریقہ سے اس میں ترمیم لانے کی کوشش کریں۔ اگر ان سب کے باوجود وہ اپنے اندر اصلاح نہیں لاتا ہے تو آپ کو پورا پورا

حق ہے کہ آپ بھی وہی کریں جو ایک ماں اپنے پیارے بچے کے جسم پر پھوڑے کے جراحی علاج کے لئے جراح یا طبیب کو چیر پھاڑ کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

کیا ماں اپنے بچے سے پیار و محبت نہیں کرتی ہے؟ مگر اس کی بھلائی کی آرزومند ہونے کی وجہ سے وہ اپنا دل سخت کر کے جراحی کے علاج کرنے والے ڈاکٹر کو علاج کی اجازت دیتی ہے۔ آپ کو بھی اپنے اندر اپنے علاقہ کے گنڈے کے ساتھ اس طرح سے پیش آنے کی ہمت پیدا کرنی چاہئے۔ اگر ضرورت ہو تو آپ کو اس کے خلاف پولیس یا تھانے میں اطلاع درج کرا کے پولیس کی مدد کرنی چاہئے، جس سے کہ دوسرے لوگ اس کی نقل کر کے گُنڈا نہ بن جائیں۔ مگر ایسا کرتے وقت آپ کے من میں اُس کے لئے کسی طرح کی نفرت اور کدورت یا بدلہ لینے کا خیال دل میں نہیں ہونا چاہئے، اس کی اصلاحات ہی آپ کا صرف ایک مدعا ہونا چاہئے۔ جس سے کہ آپ کا علاقہ اور فرقہ اس ناپاکی سے نجات پا سکے! اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے فرقہ کے کسی اہل رکن کو سزا بھگتنی پڑے تو آپ کو اس کی قطعاً پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اس سے کم سے کم اس فرقہ کو پاک صاف، تندرست اور پرسکون بنانے میں مدد ملے گی۔ مگر آپ کے دل ودماغ میں نفرت، کدورت اور بدلہ لینے کا خیال کبھی بھی نہیں ہونا چاہئے۔ بے غرض ہو کر یعنی کام کو اس کے نتیجے سے بے نیاز ہو کر، اپنے فرض کو فرض سمجھ کر اور تہہ دل سے اُسے سرانجام دینا چاہئے۔ کیونکہ آپ کا اپنے فرقہ اور ساتھ ساتھ اپنے ملک کے لئے بھی بھاری جوابدہی اور ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی ستمگر یا جابر آدمی لگاتار گستاخی کرتا ہے اور اپنی ہیکڑی جماتا ہے۔ بے آئینی خودمختاری، ظلم وستم کرتا رہتا ہے تو آپ کو بہادری سے اس کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور ہر وہ ٹھوس قدم اپنانے ہوں گے۔ جن سے اس کی خودمختیاری اور جور وجفا پر روک لگائی جا سکے۔

دوسرے الفاظ میں آپ کو نتائج کی پرواہ کئے بغیر اپنے فرض کو صدق دلی اور راست بازی سے سرانجام دینا ہوگا۔ ویدانت آپ سے ضروریات کے مطابق ضروری اور لازمی کارروائی کرنے کے لئے آپ کو آمادہ کرتا ہے۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے قدرت بلا خوف اور بیباک ہو کر بغیر کسی سے نفرت کا خیال رکھتے ہوئے سب کام کرتا ہے۔

سوال: سوامی جی! آپ ہم سے کہتے ہیں کہ [illegible] کسی طرح کی نفرت کی لمس نہیں

ہونی چاہئے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں غلطی کرنے والے کی بے رحمی کا سختی سے مخالفت کرنی چاہئے کیا یہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں عملی طور سے ممکن ہوسکتا ہے؟

جواب: یہ ممکن ہے اور کافی حد تک ممکن ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ دو گروہ کے یا ایک گروہ کے دو پہلوان کشتی کے میدان میں اترتے ہیں، وہ دونوں تہہ دل سے زور آزمائی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو شکست دینے میں اپنی اپنی پوری طاقت لگاتے ہیں۔ لیکن یہ آپ کو ماننا پڑے گا کہ ان کے دل میں ایک دوسرے سے کوئی نفرت یا کدورت نہیں ہے۔ دونوں پہلوان اپنا اپنا داؤ پیچ استعمال کرتے ہیں۔ وہ کھیل کو کھیل سمجھ کر بڑے خوشی، سرگرمی اور دلیری سے اپنے فرض کو انجام دیتے ہیں۔ چاہے کوئی جیتے یا ہارے! آخر میں دونوں کشتی باز مسکراتے ہوئے ہاتھ ملاتے ہیں۔

رام دوبارہ سے دوہراتا ہے کہ ماں، باپ کی یہ سنجیدگی سے خواہش ہوتی ہے کہ ان کا لڑکا شان وشوکت اور سرفرازی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرے۔ اگر وہ لڑکا کسی طرح سے صحیح راستے سے بھٹکتا ہے تو پہلے اس کے ماں باپ چپ چاپ، محبت سے اسے خراب عادتیں چھوڑ دینے کے لئے کہتے ہیں! اگر وہ ان کی باتیں نہیں مانتا ہے تو وہ اُسے ڈانٹتے پھٹکاتے ہیں اور کبھی کبھی اُسے سزا بھی دیتے ہیں۔ اپنے سیدھے خون سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ یکتائی کا تصور کرتے ہیں۔ ان کی صرف ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا اپنا عزیز لڑکا صاحب جاہ وجلال ہو۔ معزز عالی ہمت ہو، بڑے رعب داب سے اور شان وشوکت سے اپنی زندگی بسر کرے، اگر آپ بھی اپنے میں اور دوسرے میں بھی ایشور (اللہ) کے ساتھ یکتائی محسوس کرتے ہیں، تو آپ کے اندر بھی دوسرے کے لئے نفرت کا جذبہ نہیں رہ سکتا۔ یہ ایک بنیادی اور درحقیقت سچی بات ہے کہ یکتائی کا جذبہ ہونے سے محبت اپنے آپ پیدا ہوجاتی ہے، اس طرح سے آپ بغیر نتیجہ کی پرواہ کئے ہوئے سنجیدگی، بے تعلق، بے غرض اور ذمہ داری کے جذبہ کے ساتھ بغیر کسی سے نفرت اور دشمنی کا خیال رکھتے ہوئے اپنے فرض کو سرانجام دیں گے۔ آپ کو پہلے ہی معلوم ہے کہ آپ کے ذریعہ کئے گئے کسی بھی کام کا نتیجہ آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ خدا کے ہاتھ میں ہی ہوتا ہے۔

تواریخ میں اس کی کئی مثال ہیں۔ شری رام اور راون کے جنگ کا بیان ہے کہ شری رام نے الگ-الگ پیغام اور سندیشوں کے ذریعے راون کو اس کی غلطی کا احساس کرانے کی بہت کوشش کی

مگر جب راون اپنی جِد پر اڑا رہا تو شری رام کو، ان کے پاس کوئی اکٹھی فوج نہ ہونے کے باوجود، لنکا پر حملہ کرنا پڑا۔ اُن کی فوج میں قدیمی اور بے ترتیب یافتہ جنگلی جانور ہی تھے۔ شری رام کے دل میں راون کے خلاف نہ تو کوئی بُرے خیال تھے اور نہ ہی کوئی نفرت تھی، وہ صرف اپنے فرض کو مدنظر رکھتے ہوئے راون کے خلاف یعنی بُرائی کے خلاف جنگ، لڑ رہے تھے، جو سچائی، راستی اور انصاف پر منحصر تھی اور اس لئے انہیں راون کے خلاف جنگ میں فتح نصیب ہوئی جو ایک بڑا مالدار اور طاقتور سلطنت کا راجہ تھا اور جس کے پاس بڑی ترتیب یافتہ فوج تھی۔

یہی حالت طاقتور کوروں اور بے چارے پانڈوں کے بیچ میں ہوئی مہا بھارت کی جنگ عظیم میں تھی۔ پانڈوں نے بھی کوروں کو ان کے ذریعے کئے جا رہے ہیں، سنگین جرم اور ان کی خودغرضی کا احساس دلانے کی پوری پوری کوشش کی مگر جب کوروں نے شری کرشن کے ذریعے دی گئی صلاح کو بھی ٹھکرا دیا تو پانڈووں کے پاس کوروں کے ذریعے دی گئی جنگ کے اعلان کو منظور کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ بچا اور یہ وہ پانڈو ہی تھے جنہیں حق کے لئے جنگ کرنے کی وجہ سے فتح نصیب ہوئی۔ مہا بھارت کی جنگ میں دن کے وقت ایک بھیانک لڑائی ہوتی تھی۔ اور شام کے وقت یعنی سورج ڈھلنے کے بعد لڑائی کا خاتمہ ہوتا تھا۔ جنگ کے خاتمہ کے اعلان کے بعد وہ بڑی محبت سے ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ اس وقت ان کے دل میں کوئی نفرت یا کدورت نہیں رہتی تھی ہو سکتا ہے کہ یہ سننے میں ناممکن سا لگے مگر ہوتا ایسا ہی تھا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

برائے مہربانی، آپ بھی اسلام کی تواریخ کا مطالعہ کریں۔ جب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کیا تو ان کے مخالف کی فوجی لشکر کی نسبت ان کے سپاہیوں کی تعداد بہت کم تھی! تب بھی پیغمبر صاحب نے اسے اللہ کا حکم مانا اور مکہ پر بے ہچک یعنی کوئی پس وپیش کئے بغیر حملہ کر دیا۔ اس میں اُن کا اپنا کوئی نجی یا ذاتی دشمنی کا دلی خیال نہیں تھا۔ اُن کا مقصد صادق، راست باز اور نیک کردار تھا اور اسی لئے اُن کو فتح نصیب ہوئی۔ اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ انہیں اِس جنگ میں ایک خاص کامیابی حاصل ہوئی۔ اگر آپ کا مقصد سچ ہے تو کسی طرح کی نفرت یا کدورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ ست (حق) ہے۔ اور جہاں اللہ ہے وہیں فتح بھی لازمی ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

نہ سستے پر نہ مہنگے پر نہیں موقوف گلے پر
فتح تو بس اُسی کی ہے، خدا ہے جس کے پلے پر

اناج سستا ہے یا مہنگا، اس پر کچھ بھی منحصر نہیں کرتا ہے، فتح تو صرف اسی کی ہوتی ہے جس کی طرف اللہ ہے۔

پیارے دوستو! آپ کے اندر اپنے پاک مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے آپ پر پختہ اعتقاد ہونا چاہئے! برائے مہربانی، کربلا کی لڑائی کے متعلق اسلام کی تواریخ پر غور فرمائیں، کیا حضرت امام حسین کو اس لڑائی میں بڑی زبردست شکست کا سامنا کرنے کے باوجود بھی کسی طرح کی شرمندگی اٹھانی پڑی؟ کیا اس کا نام مٹ گیا۔ یا منسوخ ہو گیا اور یا اُن کی کسی طرح سے بدنامی ہوئی ہے؟ اُن کی اس شکست نے ہی ان کو اور زیادہ عزت و شہرت بخشی اور ان کے جلال اور نور نے ان کو اور اونچائی پر پہنچا دیا۔ وہ انصاف اور حق کے لئے اپنے بے دھڑک، بے خوف اور دلیرانہ قربانی کی وجہ سے دائمی، غیر فانی اور لازوال ہو گئے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کی یہ شکست ہی اُن کی فتح تھی۔

"کربلا"

نوٹ: عراق میں اس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت امام حسین نے شہادت پائی وہ جگہ جہاں تعزیے دفن کئے جاتے ہیں (اصلی لفظ کرب و بلا ہے)

کیا حکومت کے لالچی انگریزوں کے ذریعہ شکست کھانے سے اُس بہادر مردانی عورت جھانسی کی رانی لکشمی بائی کی رسوائی ہوئی یا ان کی آبرو میں کوئی داغ لگا؟ کیا انصاف، راستی اور آزادی کو حاصل کرنے کے لئے جناب تانتیا توپے کو پھانسی کے تختے پر چڑھانے کی وجہ سے، ان کی زندگی کا نام و نشان مٹ گیا؟ وہ شہید ہو کر ہمیشہ زندہ جاوید ہے، لازوال اور غیر فانی ہے۔ اس لئے ویدانت یہ حکم دیتا ہے کہ آپ اللہ اور صرف اللہ پر ہی بھروسہ رکھتے ہوئے۔ فتح یا شکست اور فائدہ اور نقصان کی پرواہ کئے بغیر اپنا فرض بے نیاز ہو کر سچائی سے ادا کرتے جایئے۔ یہی عملی ویدانت ہے، جس کا اپنی زندگی میں آسانی سے تقلید کیا جا سکتا ہے۔

اب رام، اس بارے میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ چاہے آپ کے مخالف نے آپ کو بے شک کتنا ہی نقصان پہنچایا ہو۔ اس سے نفرت نہ کرنا ایک دم ممکن ہے کچھ اشخاص کی مثال دینا

چاہے گا۔ ان میں سے کچھ تو موت کے جبڑے میں پہنچ جانے کے باوجود بھی ایک دم خاموش رہے۔

حضرت عیسیٰ مسیح (Tesus Christ) کو ہی لیجئے سزا بھگتنے کے لئے اُنہیں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ سولی پر بھی اپنی اصل موت سے پہلے انہوں نے بڑی محبت اور زندہ دلی سے اللہ سے دعا کی کہ ''اے اللہ سزا دینے والوں کو معاف کر کیونکہ وہ جانتے ہی نہیں کہ وہ کیا کرنے جارہے ہیں۔''

اپنے خدائی کارناموں کے لئے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں اور بے عزتی ملی۔ مگر انہوں نے کبھی بھی اپنے اندر کسی طرح کی نفرت یا بدلے کا جذبہ نہیں پنپنے دیا۔

ایسا کہا جاتا ہے کہ جب بھی وہ ایک خاص مکان کے سامنے سے گزرتے تھے تب ایک عورت ان کے سر پر کوڑا کرکٹ پھینکتی تھی، مگر انہوں نے کبھی بھی غصہ نہیں کیا۔ ایک یا دو بار ایسا ہوا، مگر اس کے بعد ان کے اوپر کبھی کوڑا کرکٹ نہیں پھینکا گیا۔ ان کو بڑی حیرانی ہوئی اور پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ عورت چند دنوں سے بیمار چل رہی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر رحم آیا اور وہ اُس کی خیریت پوچھنے کے لئے گئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے اس کے علاج میں بھی مدد کی۔ اُس عورت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے ان سے معافی مانگی اور اسلام دھرم (دین اسلام) کو قبول کرلیا۔

آپ نے چتوڑ کی رانی میرا بائی کا نام سنا ہوگا۔ وہ ایک بہت ہی اونچے درجہ کی پوجارن (زاہد) تھی۔ شری کرشن کی عبادت میں وہ نہایت خوشی اور وجد میں آ کر ناچنا اور بھجن گانا شروع کردیتی تھی ان کے روحانی مرشد مشہور و معروف اور اللہ کی عبادت میں ہمیشہ مصروف رہنے والے المست ولی روی داس تھے، جو ذاتی اور پیشہ سے چمار تھے۔ میرا بائی روزآنہ اُن کے پاس جاکر اُن کو بڑی عزت سے دُعا سلام کرتی تھی۔ رانی صاحبہ کی اس قسم کی حرکات وسکنات راجہ صاحب کو ایک دم پسند نہیں تھیں۔

انہوں نے رانی صاحبہ کو ڈانٹا اور دھمکایا اور طرح طرح سے اذیت، عذاب اور عقوبت عاید کی، رانی صاحبہ سے چھٹکارا پانے کے لئے انہیں شری کرشن کے پرساد کے نام پر زہر دے دیا۔ رانی صاحبہ نے اُسے متبرک اور پاک تصدیق کر کے پی لیا۔ اس کے فوراً بعد رانی صاحبہ کو معلوم ہوگیا کہ انہیں زہر دیا گیا تھا، لیکن پھر بھی ان کے دل میں راجہ صاحب کے لئے نہ کوئی غصہ، خوشی، اور نہ ہی کسی طرح کی نفرت، عناد یا دشمنی کا جذبہ تھا، اس زہر کو شری کرشن کا پرساد مان کر، جس سے انہیں کسی طرح کا نقصان نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ شری کرشن کی عبادت ومحبت میں غرق ہوکر حمد کرنے لگی۔ ان کے

دل میں اللہ کی عبادت اور محبت میں اتنی پُراثر طاقت تھی کہ اس زہر کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ راجا صاحب کو بھی اس بات پر بڑی حیرانی ہوئی۔ انہوں نے رانی صاحبہ سے اپنی غلطی کے لئے معافی مانگی، یہ درحقیقت ایک تواریخی روایات ہے۔

آپ نے سوامی دیانند سرسوتی کا نام سنا ہوگا۔ جنہوں نے آریہ سماج کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہ ایک بے خوف، نڈر، بے دھڑک اور دلیرانہ آشنا مزاج مصلح دین تھے۔ کٹر پنتھیوں یعنی بنیاد پرستوں نے ان کی بڑی مخالفت کی۔ ان کٹر پنتھیوں نے ان کے باورچی کے ذریعہ زہر دلوایا۔ بعد میں اُس باورچی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اپنے گناہ سے توبہ کی۔ اس نے سوامی جی کے پیروں میں گر کر اُن سے معافی مانگی۔ سوامی جی نے بغیر کسی نفرت یا بدلا لینے کے جذبہ کی بجائے اُسے معاف کر دیا۔ اور اُسے ہدایت دی کہ آئندہ وہ ایسے شدید جرم نہ کرے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اُسے یہ کہہ کر کچھ دھن دولت بھی دی کہ وہ ریاست چھوڑ کر چلا جائے یا زمین کے نیچے کہیں چھپ جائے تا کہ قانون کی پکڑ سے بچ سکے۔ سوامی جی نے اس ناگہانی واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی مان کر منظور کر لیا اور بڑے امن وچین سے اپنے جسم کو خیر باد کہہ دیا۔

رام دعوے کے ساتھ اِقرار کرتا ہے کہ آپ اپنی مصیبتوں کی تمام روکاوٹیں پار کر سکتے ہیں اگر آپ اپنے آپ کے لئے سچے ہوں تو۔ کیونکہ سب سے پہلے اپنے آپ کی ہی اصلاح کرنی اشد لازمی ہے۔ تب آپ مخالفت، عداوت، اور دشمنی کے باوجود بھی بڑی محبت اور بلا خوف، بیباک، بغیر کسی سے نفرت اور کدورت کئے، اپنے سخت سے سخت فرض کو صداقت، سچائی اور ایمانداری سے ادا کر سکتے ہیں، آپ کو صرف ناگزیر و لازمی تحمل یعنی قوت برداشت کو ہی عمل میں لانا ہے۔

اس لئے اگر آپ کا مقصد صحیح ہے تو ویدانت آپ کو اپنی ذمہ داری سے جی چرانے کی، سستی، کاہلی اور آرام طلبی ہونے کی یا کسی ستمگر، جابر اور ظالم کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ آپ کسی سستی، کاہلی اور آرام طلبی ایک بے آہنی، مطلق العنانی، خود مختاری، ستمگر کو ظلم کرنے میں اور بڑھاوا دے گی، ویدانت آپ سے اُمید کرتا ہے کہ آپ بلا خوف، بیباک اور دلیر ہو کر، ایمانداری اور سچائی کے ساتھ سب کے لئے محبت سے بغیر کسی سے بغض یا عداوت کئے ہوئے اپنے فرض کو نہایت ہی صداقت، سچائی اور راست بازی سے ادا کرتے رہیں۔

سوال: سوامی جی! مسلم فرقہ میں ایک کہاوت ہے:

اقتلوا المؤذی قبل الایذا

ایک ستم گر کو کوئی ظلم و ستم کر سکنے سے پہلے ہی اس کا قتل کرو۔ دنیاداری کے نقطہ نظر یئے سے یہ کہاوت صحیح لگتی ہے، جو کہ آپ کی صلاح کے خلاف ہے۔ کیا آپ ہمارے اس خیال سے متفق الرائے ہیں؟

جواب: رام آپ کی اس کہاوت سے کہ "ایک ستمگر کی کوئی ظلم و ستم کر دینے سے پہلے ہی اُس کا قتل کر دو۔" بالکل متفق الرائے نہیں ہے کسی شخص کو محض شبہ کی بنا پر قتل کر دینا سراسر ناانصافی ہے انہیں غلط اور باطل خیالات کی وجہ سے ہی سیدھے سادے اور خدا پرست اسلام نے برا نام کمایا ہے۔ یہ غیر واجب بے جا، نامناسب اور بے انصافی ہی نہیں ہے بلکہ خلاف آئین اور نہایت بے قائدہ، مطلق العنان اور خود مختیار بھی ہے۔ کوئی بھی دین، مذہب اور فرقہ ان اصولوں کو صحیح نہیں ٹھہرا سکتا۔

سوال: مگر کچھ لوگوں کو بلا وجہ ہی دوسروں کو نقصان پہنچانے کی عادت ہوتی ہے۔ کیا ہمیں ان سے پیش بندی یا احتیاط سے نہیں رہنا چاہیئے؟

جواب: عاقبت اندیشی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کسی کو جرم و خطا کرنے سے پہلے ہی قتل کر دیں، یہ تو ویسے ہی ہے جیسے کہ کسی کتے کو پہلے بدنام کر دو اور پھر اس کا قتل کر دو۔ ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

جہاں تک ایسے اشخاص سے سلوک کرنے کا سوال ہے، رام نے بار بار سچائی کے ساتھ بغیر کسی کے متعلق نفرت کا جذبہ رکھے ہوئے، اپنے فرض کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرنے کے لئے کہا ہے۔ نفرت ایک سرایت کی بیماری کے برابر ہے۔ یہ ایک بدکار اور سرکش دائرہ احاطہ بن جاتا ہے۔ سچائی تو یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے آپ کے اندر محبت کا جذبہ ہونا چاہیئے۔

اور اس طرح آپ اس کے اندر اپنے لئے متعصّبانہ موجب نقصان یا مضر خیالات میں تبدیلی لانے کی کوشش کریں۔ اگر وہ کسی طرح سے بھی آپ کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے تو آپ اُسے اکیلا چھوڑ دیں اور خود کو اس سے دور رکھیں۔ جتنا ہی آپ اُسے راضی یا خاموش کرنے کی

کوشش کریں گے اتنا ہی وہ آپ کے ارادوں کو چاپلوسی سمجھے گا اور اس کا دماغ بڑھتا جائے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے بھی ہوں گے کہ کسی کو راضی کر کے منانے کی تدبیر کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتی ہے۔ اس سے اس شخص کے مطالبہ میں بڑھوتری ہوتی ہے اور اس کی ناجائز حرکات کا حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ وہ کبھی بھی آپ کی باتوں کو نہیں سنے گا۔ برخلاف اس کے وہ اپنی عارضی و چندروزہ جائداد، مرتبہ، طاقت، حیثیت کا گھمنڈ ہونے کی وجہ سے آپ کے اوپر بے بنیاد اور بے تکی الزام لگا کر بغیر کسی وجہ سے آپ کی ہی بے عزتی کرے گا۔ ایسا شخص بُری طرح سے ادنیٰ اور نیچی خصلت کا ہوتا ہے۔ وہ دماغی طور سے بیمار ہے اور کسی کو بھی کسی بیمار شخص سے نفرت نہیں کرنی چاہئے۔ اس سے نفرت کرنے کی بجائے اس پر رحم کرنا چاہئے۔

اگر آپ اپنے آپ کو اس کی زہر آلودہ الزام برداشت کرنے کے لئے اپنے آپ کو بہت کمزور پاتے ہو تو یہ آپ کے حق میں ہے کہ آپ اپنے آپ کو اس سے دور رکھیں۔ آپ کے لئے بہت بہتر ہوگا کہ اُس کے پاس سے اُسی طرح سے دور بھاگ جائیں، جیسے کوئی کسی ہوا سے لگنے والی بیماری سے دور بھاگتا ہے۔ اس طرح سے وہ شخص بھی بیمار ہے اور دور بھگا دینے کے قابل ہے جو اپنے تعصب، تجویز بلا غور، خودغرضی، حسد، عداوت، غصہ، وغیرہ کی وجہ سے اندھا ہو گیا ہے اور اچھے اور بُرے کی امتیاز کرنے کی قابلیت کھو چکا ہے۔ اس کے ساتھ مہربانی کر کے تب تک تعلق قائم نہ کریں، جب تک کہ اسے اپنی غلطی کا احساس نہ ہو جائے اور وہ توبہ نہ کرے، اس کے پاس میں رہ کر بے قرار اور مضطرب رہنے اور بڑبڑاتے رہنے سے اچھا ہے کہ اپنا استقلال اور دماغی امن و چین رکھنے کے لئے آپ اُس سے دور رہیں۔ ان سب کے باوجوذ آپ کو ہوشیاری برتنی ہے کہ آپ اس سے نفرت نہ کریں۔

کبھی کبھی یہ دیکھا گیا ہے کہ جب ایک ستم یا ظلم کرنے والے نامعقول آدمی کے مقصد سے اُسے دور کر دیا جاتا ہے تو اس کا غصہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کو لگتا ہے کہ جس آدمی کو وہ اذیت یا عذاب میں ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے چُنگل سے بچ کر نکل گیا! مگر آپ کو ان سب باتوں کو اپنے دل و دماغ میں نہیں لانا چاہئے، آپ کو لگاتار سچائی، راستی، اور انصاف کے راستہ پر چلتے رہنا چاہئے ایک کہاوت ہے۔ ''ہاتھی نکل جاتے ہیں اور کُتے بھونکتے ہی رہتے ہیں۔''

اس لئے آپ کو بھی مخالف شخص کی ناموافق اور تلخ نقطہ چینی یا طنز وملامت کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ آپ اس کے ذریعے کہی ہوئی باتوں کو نظرانداز کردیں۔ برائے مہربانی یہ کبھی نہ بھولیں کہ وہ آپ کے جسم کو ہی بُرا بھلا کہتا ہے، اور آپ یہ جسم تو ہیں نہیں! آپ ان سب سے اتنا بلند ہیں کہ آپ کو اس کی غیر متعلق اور پرکینہ باتیں چھو بھی نہیں سکتی۔ اُس کی باتوں کو دل پر مت لیجئے۔ اُس کی ناخوشگوار اور دل کو دکھانے والی باتوں کے مصیبت زدہ اثر سے اپنا من (Mind) ہٹانے کے لئے اپنے دل ہی دل میں ''اوم'' رام، اللہ یا ایشور کا نام دوہرائے یا وہاں سے دور ہوجائے۔ اس سے آپ کو امن وچین سے رہنے میں مدد ملے گی۔

ایک بار ایک بنیاد پرست براہمن بھگوان بدھ کے پاس گیا اور اس نے ان سے مذہب یا دین پر مباحثہ کیا۔ جب بھگوان بدھ اس کی نقطہ نگاہ سے متفق الرائے نہیں ہوئے اور انہوں نے اُس کے نادرست اور فریبی دلیلوں کی مذمت کی تو اپنے آپ کو شکست خوردہ محسوس کرتے ہوئے اس نے بھگوان بدھ کو گالیاں دینا اور بے عزت کرنا شروع کردیا۔ مگر بھگوان بدھ نے، جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتے تھے، اپنے آپ کو شانت، ساکت، اور ہموار بنائے رکھا اور اپنی آنکھیں بند کرکے گوشہ نشین ہوکر مراقبہ میں غرق ہوگئے۔ جب اُس براہمن نے دیکھا بھگوان بدھ نے اُس کے ذریعے کی گئی بے عزتی پر کوئی غور نہیں کیا۔ تو وہ وہاں سے اُٹھ کر جانے لگا، تب بھگوان بدھ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اس سے بہت ہی عاجزی اور خوش اخلاقی سے ایک سوال پوچھا ''اگر کوئی شخص کسی کے ذریعہ دی گئی کوئی چیز منظور نہیں کرنا چاہتا ہو، تو اُسے کیا کرنا چاہئے؟ براہمن کے جواب دیا کہ'' یہ تو بہت ہی معمولی بات ہے۔ اُس شخص کو وہ پیش کی ہوئی چیز کو لینے سے انکار کردینا چاہئے اور اُسے دینے والے کو واپس کردینی چاہئے۔ تب بھگوان بدھ نے اس براہمن سے کہا کہ بالکل ٹھیک، ایک دم ٹھیک! میں تمہارے ذریعے کی گئی بے عزتی کو منظور نہیں کرتا ہوں۔ اور اس کو میں ویسا کا ویسا ہی تم کو واپس کررہا ہوں۔

وہ متعصب براہمن بھگوان بدھ کے ملائم، پرسکون انداز والے بیان سے اتنا متاثر ہوا اور اتنا نرم پڑگیا کہ اس نے فوراً سے پیشتر معافی مانگی اور وہ اپنے تمام شاگردوں کے ساتھ بھگوان بدھ کا مرُید بن گیا۔

غصہ، عداوت، حسد یعنی کسی کو دیکھ کر جلنا یہ سب چھوت کی بیماری کے برابر ہیں، غصہ کرنے والا شخص پوری طرح سے جانتا ہے کہ اُس کے غصہ سے اُس کا مخالف بھی بے قرار ہوگا اور اگر وہ اپنے مخالف کے سکون، مسکراہٹ اور بے پرواہی انداز کی وجہ سے ہار مان لیتا ہے تو لازم طور سے اُس کا منصوبہ یا مقصد ناکامیاب ہو جائے گا۔ اسی طرح بھگوان بدھ نے ملائمیت اور پرسکون برتاؤ سے اُس حاسد براہمن کو شکست منظور کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔ آپ بھی ستمگر اور بے عزتی کرنے والے مخالف کو اپنے ملائم اور پرسکون برتاؤ سے چپ کرا سکتے ہیں، مگر برائے مہربانی یاد رکھیں کہ آپ کے من میں اس کے لئے نفرت کا کوجذبہ پیدا نہ ہو۔ اس سے محبت کئے جانے کی ضرورت ہے۔ ایک طرح سے اُس کی بے علمی کے لئے آپ کے من میں ہمدردی کی بھاونا ہونی چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ شروع میں اپنی زندگی میں اسی قوت کو لاگو کرنے میں آپ کو مشکلات پیش آئے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ لازمی طور سے آسان ہو جائیں۔

سوال: آخر ایسا کیوں ہے کہ لوگوں میں اتنی خودغرضی، کڑواپن، کینہ یعنی بدلہ لینے کا مزاج جذبہ بھر گیا ہے کہ وہ دوسروں کے جذبات کو ضرر پہنچانے میں خوشی اور فتح مندی کا قیاس کرتے ہیں۔

جواب: کچھ مذاہب نے یہ کہہ کر اس سوال کو نظر انداز کر دیا ہے کہ "یہ سب کچھ ایشور (اللہ) کی مرضی پر منحصر ہے۔" مگر ذی عقل عالم اور مدبر لوگ اس مفہوم، کیفیت اور تشریح سے رضامند نہیں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ انسان ارتقاء کے موجودہ حالت میں یکایک نہیں پہنچا ہوگا۔ وہ حیوان سے انسان کی شکل میں پہنچا ہے۔ انسانی جسم حاصل کرنے کے بعد بھی وہ لگاتار ترقی کے راستہ پر بڑھتا یا پھیلتا رہا ہے۔ موجودہ سائنس داں اس مسئلہ کے اصول کو ۱۹ ویں صدی میں ہی ظہور میں لا سکے، جب کہ ہندوستانی فلسفی دان اس کے متعلق ہزاروں سال پہلے ہی جانکاری رکھتے تھے۔ آتما یا روح کے آواگون کا اصول اسی انکشاف و کشادگی پر منحصر ہے جس کو انگریزی میں تھیوری آف ایولوشن (Theory of Evolution) کہتے ہیں۔ ایک شخص جتنا ہی خودغرض ہوگا، اتنی ہی، حیوانوں کی طرح اُس کی عقل اور دماغی توازن بھی کم ہوگا۔ اور جتنا ہی وہ بے غرض ہوگا۔ اتنا ہی بہتر اس کی ترقی ہوگی! دوسرے الفاظ میں، ایک شخص میں جتنی ہی محبت اور ایکتا کا جذبہ ہوگا، ترقی کی سیڑھی پر وہ اُتنا ہی اونچا چڑھے گا۔

خود غرضی حیوان کے مذہب میں نمایاں ہوتی ہے چونکہ یہ بداندیش لوگ ابھی ابھی حیوان کی قیام گاہ سے ترقی کرتے کرتے اوپر آئے ہیں، اس لئے ابھی بھی ان میں حیوان کی عادت اور فطرت موجود ہے۔ آپ کو ایسے اشخاص کی فاسد حرکات کا برا نہیں ماننا چاہئے، جو پوری طرح سے اپنے اندر سے حیوانیت کو ختم نہیں کر پائے ہیں۔ ان کے انسانی جسموں کا لازمی طور سے جسمانی وکاش (ترقی) ہو گیا ہے، مگر اسی اندازہ سے ان کے ذہن کا پھیلاو یا انکشاف نہیں ہو پایا ہے۔ اگر کہا جائے تو ان کی عقل آج بھی ایک بچے کی عقل کی طرح قدیمی ہے۔ کوئی بھی ایک بچے سے نفرت نہیں کرتا ہے۔ ایک بچہ، بچہ ہی ہوتا ہے، اس کو بڑا ہونے دو، نمود ہونے دو! اگر آپ کے مزاج کے مطابق ہو تو آپ بھی ایسے اشخاص کے انکشاف میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ انہیں آج محبت نہیں دے سکتے ہیں، تو آپ کو ان سے نفرت کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔ انہیں قدرت کے بھروسے چھوڑ دیجئے۔ پرکرتی (قدرت) اپنی طرح سے ہی ان کو سچائی کے راہِ راست پر آنے میں رہنمائی کرے گی۔ آہستہ آہستہ وہ بھی اُٹھ کر آپ کی برابری میں آجائین گے۔ کون جانتا ہے کہ ایسے لوگ کبھی آپ سے آگے بڑھ کر انکشاف یا کشادگی کی سب سے اونچی منزل پر پہنچ جائیں۔ اگر آپ تعصب یا بدلا لینے کی غرض سے ایسے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان کا سدھار ہو جائے یا نہ بھی ہو، مگر آپ تو لازمی طور سے حقیر اور ناخلف ہو جائیں گے۔ اور تب قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی وجہ سے اللہ بھی آپ کو قطعاً ترک کر دے گا۔ رام کو اس وقت بھگوان شری کرشن کے بارے میں ایک دلکش واقعہ یاد آ رہا ہے، جس سے آپ کو میری بات اور آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی!

ایک دفعہ بھگوان شری کرشن رانی رُکمنی کے ساتھ چوپڑ (شطرنج کی طرح ایک پرانا کھیل) کھیل رہے تھے! کھیلتے وقت وہ تھوڑی دیر کے لئے رُک گئے، رانی رُکمنی کو بڑی حیرانی ہوئی، جب انہوں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایسی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ مگر رُکمنی اس جواب سے رضامند نہیں ہوئی انہوں نے کہا کہ وہ انہیں آگے تب تک نہیں کھیلنے دے گی۔ جب تک "وہ" اپنے من کی بات نہیں بتلائیں گے۔ بھگوان شری کرشن نے کہا کہ دو دھوبی لڑ رہے تھے، انہیں لڑنے دو، چلو کھیلتے ہیں۔ اس سے رُکمنی اور اُلجھن میں پڑ گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ شاہی محل ہے یہاں پر دھوبیوں کے آنے یا لڑائی جھگڑے کا کہاں موقع ہے۔ لہٰذا میں آپ کو تب تک نہیں کھیلنے

دوں گی، جب تک آپ واضح طور پر ساری بات کی وضاحت نہیں کریں گے۔

تب بھگوان کرشن نے کہا۔ "ایک گھومنے پھرنے والا گوشہ نشین زاہد دیر رات گئے گنگا ندی کے تٹ (گھاٹ) پر پہنچا! صبح سویرے ندی میں غسل کرنے کے بعد وہ استغراق یا دھیان لگانے کے لئے بیٹھا! وہ دھوبیوں کا گھاٹ تھا۔ ابھی تھوڑا اندھیرا ہی تھا کہ وہاں پر ایک دھوبی بھی گندے کپڑوں کا ایک گٹھا لے کر پہنچ گیا۔ اور کپڑے دھونے لگا۔ گندے پانی کے قطرے اُس گوشہ نشین زاہد پر پڑیں۔ جس سے اُس کے استغراق میں خلل پڑی میں اس گوشہ نشینی کی مدد کرنے کی بات سوچ ہی رہا تھا کہ اس زاہد نے اپنی آنکھیں کھولیں اور گستاخانہ لہجہ میں بولا "کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ میں یہاں استغراق کی حالت میں مشغول ہوں؟" دھوبی نے بھی اُسی طرح جواب دیتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ دھوبیوں کا گھاٹ ہے؟" آپ نے دھیان لگانے کے لئے اس جگہ کو کیوں منتخب کیا؟ غضب ناک غصہ میں آکر اس گوشہ نشین نے کہا۔ "پچھلی رات جب میں یہاں آیا تھا اس وقت اندھیرہ تھا اور میں معلوم نہیں کر سکا کہ یہ دھوبی گھاٹ ہے۔" دھوبی نے بھی اسی طرح سے جواب دیا "میں بھی جب یہاں آیا تھا تو اس وقت بھی اندھیرا تھا اور میں آپ کو دھیان میں بیٹھا ہوا دیکھ نہیں سکا۔"

اس طرح کا جواب دھوبی سے سن کر وہ گوشہ نشین زاہد غصہ میں پاگل ہو اُٹھا! اُس نے کہا کہ "نیچ ذاتی کے دھوبی ہونے کے باوجود تم مجھ سے بحث کرتے ہو؟" "میں تمہیں ابھی سبق سکھلاتا ہوں۔" اُس نے اپنی لاٹھی اٹھالی، دھوبی بھی کھڑا ہو گیا اور ایک موٹی لاٹھی لے کر لڑنے کو تیار ہو گیا۔ اس وقت وہ دونوں آپس میں بھڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو پہلے سے ہی جاہل دھوبی ہے، جب کہ دوسرے نے غصہ میں آکر خود کو اُسی سطح پر لاکر کھڑا کر دیا، اب ان دونوں دھوبیوں کو لڑنے دو اور اپنے آپ فیصلہ کرنے دو! میں کیوں فکر کروں؟ چلو کھیلتے ہیں۔

اس کہانی کے سنانے کا محض یہی مدعا ہے کہ ایسے غیر معمولی حالات میں بھی آپ کو قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہئے۔ آپ کو موقع کا سامنا استقلال، محبت، قوت برداشت اور براندیشہ، ہوشیاری کے ساتھ کرنا چاہئے۔ اگر آپ عداوت، چڑھ، جنبش یا ولولہ اور غصہ وغیرہ کے زیر اثر ہو کر کام کریں گے تو لازمی طور سے آپ کا کام خراب ہو جائے گا۔ آپ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ

آپ ایسے مزاج والے شخص سے گفتگو کے دوران اشتعال انگیز باتیں خطرناک موڑ اختیار کرسکتی ہیں اور گرما گرم بحث میں تبدیل ہوسکتی ہیں۔ حیوان جیسی خصلت اختیار کرلیں، یہ حالت بگڑ کر ایک خونریز لڑائی میں تبدیل ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے خون بہہ سکتا ہے، قتل ہوسکتا ہے، ایک فارسی کا شاعر کہتا ہے:

خوُد کردار را علاج نیست

اگر آپ خود اپنے کام کو بگاڑتے ہیں تو اس کا کوئی علاج یا دوا نہیں ہے۔ آپ کو اپنے اعمال کے نتائج خود برداشت کرنے ہوں گے۔

خدا بھی ایسے لوگوں کی مدد کرنے کی پرواہ نہیں کرتا ہے جو بدلہ لینے یا نفرت کے جذبات سے متاثر ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔

ویدانت آپ کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ آپ اپنے مذہب، قوم اور ملک کے راست باز حقوق کو حفاظت کے لئے اپنے فرائض کو بے نیاز اور غیر متعصب ہو کر ادا کریں، ویدانت آپ کو محبت، اتحاد، قوتِ برداشت، سنجیدگی، استقلال، دلیری اور فراخ دلی و عالی ہمّت وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے، نہ کہ کاہلی، بزدلی، تنگ دلی اور بدلا لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ ایک ہی شرط ہے کہ آپ میں اپنے مخالف یا حریف کے لئے نفرت، ناخوشی اور کراہت کے جذبات نہیں ہونے چاہئیں۔ اس لئے آپ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردو، تسلیم و رضائے خدا کبھی بھی اپنے واجب اور منسوب بہ اخلاق فرض کے راستے سے گمراہ نہ ہوں۔

آپ کو اپنے فرض کو ادا کرنے میں خوف کیوں ہو، جب اللہ جو آپ کا خیر خواہ ہے، آپ کے ہردم ساتھ ہے۔ "وہ" لازمی طور سے کامیابی کے ساتھ اس دنیا کے میدان جنگ سے آپ کو با حفاظت نکال لے جائے گا اور جب آپ کے دل و دماغ سے نفرت انگیز باتیں سب ختم ہوجائیں گی، تب آپ کا بڑے سے بڑا دشمن بھی نہ صرف آپ کا عزیز دوست بن جائے گا بلکہ وہ آپ کی ہی ہستی میں تبدیل ہوجائے گا۔ حق (اللہ) پر شک کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

برائے مہربانی یاد رکھیں کہ آپ کو، سب جگہ موجود اُس عالمگیر اللہ کے ساتھ لگاتار وحدت میں ایک مضبوط اور اٹل اعتقاد کا انکشاف یا نمود کرنا ہوگا۔ اگر آپ یقیناً سچائی کے ساتھ ایسا کرسکیں تو

رام آپ کو یقین دلاتا ہے کہ ہر قدم پر کامیابی کا تاج آپ کے سر پر ہوگا! یہ قانون غیر مبدل ہے۔ آپ کو ہمیشہ اللہ کو، جو آپ کے جسم کے ہر ایک ذرّہ، ذرّہ میں دماغ اور قوت، متخیلہ یعنی عقل اور ذہن کو اسے اپنے سے دور نہیں سمجھنا چاہئے، اصلیت میں تمام مخلوقات پر آپ کی خود مختیاری ہے، اس لئے آپ کو اپنے آپ کو محض ایک خادم یا غلام نہیں سمجھنا چاہئے۔ ایک اُردو کا شاعر کہتا ہے:

انسان کی جہالت الفاظ کے باہر ہے
خود ہو کہ خدا، خود کو بندہ ہے سمجھ بیٹھا

انسان کی بے علمی بیان سے باہر ہے، وہ خود خدا ہوتے ہوئے بھی بدنصیبی سے اپنے آپ کو غلام سمجھتا ہے۔

اس لئے آپ کو دلیر ہونا چاہئے، ایشور (اللہ) سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ "وہ" آپ کا بھلا چاہنے والا ہے، "وہ" اور آپ ایک ہیں۔ کوئی بھی اپنے آپ سے نہیں ڈرتا ہے۔ اللہ سے خوف زدہ ہونے میں کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ اُس سے عشق یا محبت کی جانی چاہئے۔ اپنے دل میں ستیہ کو یعنی حق کو اختیار کرنے کی بجائے، کیا آپ "اس کی" بے غرض محبت پر شک کرتے ہوئے آپ کو اس سے "خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے، جو آپ سے اپنے جیسا محبت کرتا ہے۔

اللہ غیر محدود اور بے حد ہے۔

"وہ" عالمگیر ہے۔ کیا بحر کے قطرہ کی بحر سے الگ ہستی ہو سکتی ہے؟ آپ اس کی ہستی کو بحر سے الگ نہیں ثابت کر سکتے، بحر میں یہ قطرہ بحر ہی ہے۔ اسی طرح کیا آپ الوہیت خدائی کے غیر محدود بحر سے اپنے آپ کو الگ مان سکتے ہیں؟ کبھی بھی نہیں، اگر آپ اپنے آپ کو اللہ اعلان کرنے سے ڈرتے ہیں تو آپ کم سے کم اتنا سمجھ ہی سکتے ہیں کہ اللہ آپ کے جسم کے ہر ایک ذرّہ ذرّہ میں، دل و دماغ اور عقل میں موجود اور پیوست ہے۔ ایک اُردو کا شاعر کہتا ہے:

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

وقت اور آکاش "تری" بزرگی کی پیمائش نہیں کر سکتے۔ ایک میرا ہی دل ہے، جس میں "تو" سما سکتا ہے۔

جب اللہ آپ کے جسم کے سبھی اعضا میں پیوست ہے اور آپ کے چاروں طرف موجود ہے، تو لازمی طور سے آپ اور وہ ایک ہیں، آپ ''اُس سے'' الگ نہیں ہیں۔ جب آپ کو اس اصل حقیقت پر مکمل یقین ہو جائے گا۔ تو ایک دن بے شک ہی ایسا آئے گا جب آپ بلا خوف، بیباک اور دلیر ہو کر اعلان کرو گے کہ ''میں وہ ہوں'' اور تب آپ کی خودی بے حد میں غرق ہو جائے گی۔ اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہے گا اور تب آپ سے آپ ایک فارسی شاعر کے الفاظ میں آپ کے منہ سے نکل جائے گا۔

آفتابم، آفتابم، آفتابم
ذرّہا دارند از من رنگ وتاب

تشریح: میں سورج ہوں، میں سورج ہوں، اس کائنات کا ہر ایک ذرّہ میری توصیف، جلوہ اور نور کو عکس کر رہا ہے، میرے پیارے دوستو! اللہ کی جھوٹی اور ریا کار خوشامد مت کرو، اُس کو پھسلا کر یا خوشامد کر کے چاپلوسی سے نہیں جیتا جا سکتا ہے۔ ''وہ'' صرف ہماری سچی راست بازی کے ساتھ کئے گئے ارادوں اور بے غرض عمل کو ہی اہمیت دیتا ہے۔ بہشت کے لالچ کے جال میں مت پھنسو! اس کی پری پیکر موہ میں مت پھنسو۔ ایک شاعر کہتا ہے:

جنت پرست زاہد کب حق پرست ہے
حوروں پہ مر رہا ہے وہ شہوت پرست ہے

وہ تارک الدّنیا جو بہشت کا آرزومند ہے، وہ اللہ کا واجب التعظیم نہیں ہو سکتا وہ تو پری پیکر حوروں کے پیچھے جان دے رہا ہے۔ وہ تو محض شہوت پرست تفریح طبع کا عاشق ہے۔

اس لئے بہشتی بدکار لذات کا خیال ترک کر دو اور اللہ تعالیٰ کو وقوع میں لانے کے لئے راست بازی سے سعی کوشش کریں جب آپ اپنی نیک خصلت اور سچے دل سے اللہ کو خوش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، اُس کے بعد کسی چیز کی خواہش کرنے کے قابل کچھ بھی باقی نہ رہ جائے گا۔

ایک دفعہ ایک راجہ نے اپنی سالگرہ پر اظہار کیا کہ وہ اپنے محل میں رہنے والے ہر شخص کی خواہش کو پورا کرے گا۔ اُس نے اپنے سبھی نوکروں اور دوسرے لوگوں کی ضروریات پوری کیں۔ مگر ایک نوکرانی نے کچھ بھی نہیں مانگا۔ راجہ کے پوچھنے پر اس نے بتلایا کہ اُسے شک ہے کہ راجہ اُس کی

خواہش پوری کرے یا نہ کرے۔ جب راجہ نے اُسے تسلی دی کہ وہ اس کی ہر ایک خواہش پوری کرے گا تو اس نوکرانی نے راجہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ ''میرے مالک میں صرف آپ کو پانا چاہتی ہوں۔'' راجہ چکرا گیا مگر چونکہ وہ زبان دے چکا تھا۔ اس لئے اس کے پاس اُس نوکرانی سے شادی کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس طرح اُس نوکرانی کو سب کچھ مل گیا اور وہ پوری سلطنت کی رانی بن گئی۔

اس طرح اگر آپ کو اللہ کا وصل ہو جاتا ہے یا اللہ کے ساتھ مکمل طور سے آپ یکتائی قائم کر لیتے ہیں۔ تو آپ تمام جہاں کے مالک بن جاتے ہیں۔ چاہے جو بھی حالات ہوں، اللہ کو کبھی مت بھولئے۔ تبھی آپ ایک سچے مسلم کہے جانے کے قابل ہو پائیں گے۔ آپ کا کلمہ کہتا ہے ''لا الٰہ الا اللہ'' (لا الــہ الا اللــہ) جس کا درحقیقت مطلب ہے کہ ''اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔'' ٹھیک یہی بات ویدانت کہتا ہے۔ '' ایکو برہم، دوتیو ناستی'' اس کا یہ مطلب بھی ہوتا ہے کہ دوئیت (Duality) جیسی چیز نہیں ہے اور یہ مطلب بھی ہوتا ہے کہ سب کچھ برہم ہے، برہم کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کہاوت طوطے کی طرح دوھرانے کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ سچائی کے ساتھ عمل میں لاکر اپنے اندر جذب کرنی ہیں۔ اگر آپ اِس ازلی ولازوال ستیہ (حق) کو یاد رکھیں گے تو آپ دوہراپن (Duality) سے اوپر اٹھ جائیں گے اور ہمیشہ خوش نصیب اور پرسکون رہیں گے۔

اگر آپ پورے اعتقاد اور عقیدے کے ساتھ اللہ کی عالمگیری کو یاد رکھیں گے تو آپ کی زندگی کی کشتی بڑی آسانی سے طوفانی بحر کو پار کر جائے گی۔ مگر آپ ''اُسے'' بھول جائیں گے تو آپ کی ناؤ بحری تٹ پر ہی چھچھلے پانی میں ڈوب جائے گی۔ اللہ پر مستحکم اعتقاد ہی ایک ماتر سچا سہارا ہے اور یہی قابل یقین ہے۔ ایک شاعر فرماتا ہے:

بس ایک سہارا کافی ہے
اور وہ بھی خدائے برحق کا
ہم ان کا سہارا کیوں ڈھونڈھیں
خود جن کا سہارا کوئی نہیں

صرف ایک اللہ کا ہی سہارا بہت ہے۔ ہمیں اُن کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جن

کا اپنا کوئی سہارا نہیں۔

اس لئے ''اُسے'' پکڑ کر رکھنے کا مطلب ہے کہ سب سے محبت کرو، کیونکہ ''وہ'' سب میں موجود ہے۔ آپ کو کافر اور مومن یعنی غیر مسلمان اور مسلمان کے درمیان جو بھید بھاؤ ہے، اس کو ترک کرنا ہوگا۔ اللہ کو عالمگیر تسلیم کرتے ہوئے آپ کو سب سے اپنے جیسا عشق کرنا پڑے گا۔ اللہ کو اس طرح سے یاد کرنے سے حسد، رقابت، تعصب، دشمنی، نفرت وغیرہ فوراً ختم ہو جائیں گے اور آپ اپنے آپ میں خوشی اور امن وچین کا احساس کریں گے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں مقرر کر کے بیان کیا گیا ہے کہ اصلیت میں ''امن اسلام کا خلاصہ ہے۔'' اگر آپ اللہ اور پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ایک سچا مسلمان بنے رہنا چاہتے ہو تو ہر قیمت پر امن، چین کو بنائے رکھئے۔

یادِ اللہ دم بہ دم
کس کی شادی کس کا غم

ہر سانس میں اللہ کو یاد رکھو، اور تب تمہیں دکھ یا سکھ کسی چیز کی بھی دقت یا پریشانی نہیں ہوگی۔

مسلم نمائندہ: سوامی جی! ہم سبھی مذہب کے ان نازک مسئلوں پر روشنی ڈالنے کے لئے جو ہمارے دل و دماغ میں جنبش یا کھلبلی پیدا کرتے تھے، آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہم اپنے کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' یعنی اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے کہ عالمگیری کے قائل ہو گئے۔ یہ ویدانت کا توحید ہے اور یہی حق ہے! ہم سبھی آپ کے لئے اپنی احسان مندی کا اظہار کرتے ہیں۔

رام: آپ نے ابھی کہا ہے کہ کوئی دوہرا پن نہیں ہے۔ پھر کون کس کو شکر گزاری دے رہا ہے؟ ہم سبھی ایک ہیں۔ اور ہمیں اسی سچائی (حق) کے ساتھ جینا چاہئے۔

سوامی رام تیرتھ مشن (رجسٹرڈ) دہلی

مختصر تعارف

سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کے واصل الحق ہونے کے ۳۰ سال بعد اُسی دن یعنی دیپاولی کو ان کی یاد کو لافانی بنائے رکھنے کے مدنظر سن ۱۹۳۶ء میں مراری والا (جواب مغربی پاکستان کے ضلع گوجران والا میں واقع ہے) ایک عام جلسہ کا آغاز کیا گیا، جس کی صدارت سوامی رام کے اعلیٰ مرید سوامی گووندنند جی مہاراج نے کی۔ اس موقع پر سوامی کے پوتر شاگرد یعنی دوسری پیڑھی کے شاگرد رشد سوامی ہری اوم جی نے ایک ہائی اسکول کا انعقاد کیا۔ اُس جلسہ میں موجود دانشوران عالم فاضل اور صدہا مرد۔ عورتوں نے عام رائے سے فیصلہ کیا کہ ملک کے کسی دلکش مقام پر سوامی رام تیرتھ مشن کی جلدی سے جلدی یادگار قائم کی جائے جہاں سے رام کے پریمی (دیوانے) پرم ہنس عالیجناب سوامی رام کے بلند خیالات اور اصولوں کا کھل کر پرچار کر سکیں اور ان کے خیالات، اپدیشوں کی توضیح ہو پائے۔ سوامی ہری اوم جی کی لگاتار اور اَن تھک محنت کی بدولت سن ۱۹۴۸ء میں دہرہ دون (اترانچل) یعنی

مسوری کے درمیان راجپور حلقہ میں سوامی رام تیرتھ مشن کی بنیاد رکھی گئی۔

سوامی ہری اوم جی نے سن ۱۹۵۵ء میں اپنے اس روحانی علم کا چراغ اپنے عزیز مرید اور حقدار سوامی گووند پرکاش جی مہاراج کے ہاتھوں میں سونپ دیا، کیونکہ ایک آپریشن کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے فانی جسم کو خیر باد کہا۔ مشن کے اولین اعلیٰ سوامی گووند پرکاش جی کی دیکھ ریکھ میں اس مشن نے نمایاں ترقی کی۔

۱۹رستمبر ۱۹۷۷ء میں سوامی گووند پرکاش جی کے واصل الحق ہونے کے بعد سوامی امر منی جی مہاراج نے اس مشن کو ہر طرح سے آگے بڑھایا۔

۲۸ر دسمبر ۱۹۹۳ء کو سوامی امر منی جی مہاراج کے واصل الحق ہونے کے بعد ڈاکٹر کشور داس سوامی جی اس مشن کے اعلیٰ صدر بنے جن کی دیکھ ریکھ میں مشن اپنی الگ الگ برانچوں کو نئی روشنی مہیا کرتا ہوا ہر طرح سے چاروں طرف ترقی کر رہا ہے۔ ان سبھی شعبوں، برانچوں کے سالانہ اجلاس میں اعلیٰ صدر اور دوسرے علماء، دانشمند اور اہل عرفا کی شرکت سے متلاشیان حق و معرفت کے سامعین روحانی تعلیم سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

راجپور مشن لگ بھگ ۳۰ بیگھے میں واقع ہے۔ اس دھرم اَستھان پر ایک استغراق یعنی سادھنا کرنے کا سبھا گاہ ہے، ایک دھرمارتھ ہسپتال ہے، ایک کتب گھر (لائبریری)، پڑھنے کی الگ جگہ ہے، گئوشالا ہے اور آشرم میں آنے والے رام پریمیوں کے لئے قیام کرنے کے واسطے کمرے ہیں۔ پھل دار درختوں سے آرائش ایک عمدہ باغیچہ ہے جو ہر طرح سے مشن کی سوبھا بڑھاتا ہے۔

ہر سال ماہ مئی میں آشرم کا سالانہ جلسہ دہرہ دون اور راجپور میں قرار پاتا ہے۔ جس میں تارک الدنیا سنیاسی اور عالمانہ روحانی دانشمند دور دراز سے آکر

سوامی رام کے بیش بہا اُپدیشوں کے ذریعے حاضر سامعین رام پریمیوں کو علم سے آگاہ کراتے ہیں۔ اِس کے علاوہ سادھنا ہفتہ کی سہولت کی جاتی ہے جس میں مقرر طے شدہ پروگرام کے مطابق سبھی مریدوں کو سچے سادھک کی زندگی گزارنی پڑتی ہے، آشرم کے ذریعے ہر ماہ ''رام سندیش'' نامک ایک دیوناگری میں پرچہ شائع ہوتا ہے۔ اعلیٰ صدر جی کی دیکھ ریکھ میں سوامی رام تیرتھ پرکاشن کی بنیاد بھی ڈالی گئی ہے جس کا مقصد بھارتیہ سنسکرتی کے اُن گرنتھوں کا شائع کرنا ہے جو ابھی تک چھپے نہیں ہیں یا ختم ہو رہے ہیں۔ اس پرکاشن کے تحت اب تک ۸ کتب شائع ہو چکی ہیں۔

مشن اپنی دوسرے برانچوں (شعبوں) کے ذریعے سے ست سنگ، جلسوں، پرکاشنوں وغیرہ کے تال میل سے رام تیرتھ مہاراج کے اُن بیش بہا نصیحتوں اور اُپدیشوں کو پڑھنے، عمل میں لانے اور اُن کو اپنی زندگی میں اُتارنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔

سوامی رام تیرتھ مشن کی برانچیں (شعبے)

(۱) خاص آشرم، سوامی رام تیرتھ مشن (رجسٹرڈ)
راج پور، دہرہ دون (اترانچل)، فون نمبر: 0135-274225

(۲) ہری اوم ست سنگ بھون
۵۹ راج پور روڈ، دہرہ دون (اترانچل)

(۳) سوامی رام تیرتھ مشن (رجسٹرڈ)
ا-ای-۱۶، سوامی رام تیرتھ نگر، جھنڈے والا ایکسٹینشن، نئی دہلی ۱۱۰۰۵۵
فون نمبر 011-23528302,2359350

(۴) سوامی رام تیرتھ مشن، مین بازار رانی باغ، شکور بستی، دہلی ۱۱۰۰۳۴
فون نمبر 011-27018527

(۵) سوامی رام تیرتھ مشن (رجسٹرڈ)
گووند بستی، ٹیکا نیرا، کوئلہ، تحصیل- جوابی، کانگڑہ۔

(۶) سوامی رام تیرتھ مشن (رجسٹرڈ)
سوامی رام تیرتھ روڈ، ہری اوم نگر، علی گڑھ (یوپی)

(۷) سوامی رام تیرتھ ادھیاتمک کیندر، ہرولی روڈ، ملوہ، ضلع اُونا، ہماچل پردیش

(۸) سوامی رام تیرتھ مشن، وشنو مندر، چھتری روڈ شیو پوری گوالیار، مدھیہ پردیش

(۹) سوامی رام تیرتھ مشن، رائی باغ، امرتسر

(۱۰) سوامی رام تیرتھ مشن، ہری اوم ست سنگ یونائیٹڈ ٹاور، لیڈر روڈ، الہ آباد (یوپی)